ایک حسین گلدستہ
خطباتِ اسلام
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے میں انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
از قلم
عبدالمالک مصباحی ایم اے
رضوی کتاب گھر دہلی

فہرست

اسلام ایک دل کش حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ھَدَانَا اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صَاحِبِ الْخُلُقِ الْعَظِیْمِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ قَامُوْا بِنُصْرَۃِ الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ. اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی کِتَابِهِ الْعَظِیْمِ.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ. (آل عمران آیت:۱۹)

بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ (کنز الایمان)

آیئے سب سے پہلے مصطفیٰ جان رحمت، شمع بزم ہدایت، دریائے رحمت، قاسم نعمت، مالک جنت حضور احمد مجتبیٰ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کرنے کی سعادت حاصل کریں اور بلند آواز سے پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ دَائِمًا اَبَدًا۔

تو اپنے آپ کو پہچان اپنا نام پیدا کر
زمانے بھر میں جس کی قدر ہو وہ دام پیدا کر
شعاعیں بن کے سورج کی جہاں میں پھیل جا ہر سو
تو اپنی زندگی میں لذت انجام پیدا کر
ہٹادے اپنی ہمت سے یزیدی راہ کے پتھر
ہجوم کربلا میں قوت اسلام پیدا کر

❁ ❁ ❁

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

❁ ❁ ❁

نورِ حق اسلام ہے اس کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

❁ ❁ ❁

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

❁ ❁ ❁

اسلام تیری نبض نہ ڈوبے گی حشر تک
تیری رگوں میں خوں ہے رواں چار یار کا

محترم بزرگو اور نوجوان ساتھیو! آج اگر دنیا کے مذاہب کا جائزہ لیا جائے تو انسانوں کی بھیڑ بھاڑ میں بے شمار عقائد و نظریات کے حامل افراد سامنے آتے ہیں، اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی حقانیت اور صداقت کا دعویدار ہے۔ ہر کوئی اپنے آپ کو مکتی اور شانتی کا علمبردار سمجھتا ہے۔ ہر شخص اپنے معتقدات پر اٹل ہے۔ ہر ایک اپنے افکار اور نظریات پر خوش و خرم اور پر سکون و مطمئن ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے مذہب کی ترویج۔ اپنے اپنے خیالات کی تبلیغ اور اپنے اپنے عقائد کی تشہیر میں مگن ہے۔

مگر کیا یہ تمام راستے منزلِ مقصود تک پہنچانے والے ہیں؟ کیا یہ تمام خیالات حقیقی اطمینان و سکون فراہم کر سکتے ہیں؟ کیا یہ تصورات مکتی دلا کر جنت کی پر بہار وادیوں تک پہنچا سکتے ہیں؟ اگر غور و فکر کے ساتھ حقیقت کی دنیا میں اتر کران سوالوں کا جواب تلاش کیا جائے تو جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ آج دنیا میں جو بھانت بھانت کے دھرم اور قسم قسم کے مذاہب نظر آرہے ہیں ان کی تعمیر

وتوسیع کے پیچھے انسانی دماغ، انسانی خواہشات، انسانی خیالات، انسانی تصورات، انسانی تفکرات، انسانی مزاج اور انسانی پلاننگ کام کررہی ہے۔ دوسرے مذاہب تو درکنار آج خواہ یہودیت اور عیسائیت ہی کیوں نہ ہوں یہ دونوں مذاہب بھی اپنی اپنی اصلیت وواقعیت کھوچکے ہیں کسی زمانے میں انہیں دین الٰہی ہونے کا شرف حاصل تھا، مگر رفتہ رفتہ لوگوں نے اپنی طبیعت کے مطابق کتر و بیونت شروع کردی۔ یہاں تک کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ان کی اصلی صورت مسخ ہوگئی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مذاہب ہیں خواہ وہ سکھ مت ہوں، یا ہندومت، پارسی ازم ہو یا بدھ ازم، کوئی بھی دھرم ہو کوئی بھی مذہب ہو انسان کو شانتی نہیں عطا کرسکتا۔ خدا تک رسائی کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ جنت الفردوس کی وادیوں تک نہیں پہنچا سکتا۔ سوائے مذہب اسلام کے کیونکہ آج دنیا کے تمام ادیان و مذاہب میں صرف اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسے رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ سے قبولیت کی سند حاصل ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا محبوب وپسندیدہ دین ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (ال عمران آیت:۱۹)

بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ (کنز الایمان)

بلاشک وشبہ یہی خداوند قدوس کا محبوب وپسندیدہ دین ہے۔ یہی جنت کی وادیوں میں پہنچانے والا مذہب ہے۔ اسی سے خدا تک رسائی ہوتی ہے۔ اسی کے اصول میں زندگی کا راز مضمر ہے۔ اسی کے قوانین میں حیات کا بھید پوشیدہ ہے۔ اسی کے دستور میں ترقی کی راہیں اور نجات کی سبیل ہے۔ یہی حق کا نقیب اور صداقت کا خطیب ہے۔ یہی عزت وعظمت کا محافظ اور حرمت وناموس کا نگہبان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام کی آمد کے ساتھ ہی تمام آسمانی شریعتیں منسوخ کردی گئیں اور تمام دوسرے مذاہب عالم باطل ومردود قرار دے دیے گئے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

اور فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔ (کنز الایمان)

مذہب اور بانی مذہب

حضرات! آج کی مجلس میں میں آپ کے سامنے اسلام کی حقانیت وصداقت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ کسی بھی مذہب کی حقانیت اسی وقت لوگوں پر روشن وظاہر ہوسکتی ہے۔ جبکہ اس کے بانی کا پورا حال نگاہوں کے سامنے ہو، بانیٔ مذہب کی پوری زندگی، اس کے افعال وکردار، اعمال واقوال، اخلاق واطوار اور شب وروز کی تفصیل متعین مذہب کے لیے نمونۂ زندگی ہوا کرتی ہے۔ اس تعلق سے جب ہم تاریخ کے منتشر صفحات کا مطالعہ کر کے بانیان مذاہب کی زندگی کی تاریخی حیثیت معلوم کرتے ہیں تو ان کے تعلق سے ہمیں تاریخ میں تمام سوالوں کے جواب تو بہت دور کی بات ہے۔ چند سوالوں کے جواب بھی نہیں مل پاتے ہیں۔

لیجئے میں آپ کے سامنے ان تاریخی شواہد کا نمونہ پیش کرتا ہوں سماعت کیجئے اور اندازہ لگایئے۔

آج دنیا کی تمام قوموں میں بزعم خویش سب سے زیادہ پرانا مذہب ہونے کا دعویٰ سناتن دھرمی ہندوؤں کو ہے۔ ان کے مذہب میں سینکڑوں مہاپرشوں کے نام ملتے ہیں مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی تاریخی حیثیت حاصل نہیں۔ اگر آپ تحقیق کی دنیا میں اتر کر آگاہی حاصل کریں گے تو ان میں سب سے بہتر کردار ان لوگوں کے ملیں گے جو رامائن اور مہابھارت کے ہیرو ہیں۔ مگر ان کی زندگی کے واقعات بھی تاریخی اعتبار سے ناپید ہیں۔ آج یقین کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعات کس صدی اور کس سال میں واقع ہوئے۔ ان میں کن کن لوگوں کے کردار اصلی ہیں اور کون کون افسانوی حیثیت کے مالک ہیں۔ مختصر یہ کہ جب بانی مذہب ہی کی شخصیت اور اصلیت کا پتہ نہیں تو پھر ان کے افعال وکردار اور اقوال وخیالات کی تصدیق کیسے کی جاسکتی ہے؟ کیسے ان کی رہبری اور پیشوائی کے سامنے سر تسلیم خم کیا جاسکتا ہے؟ انہیں کیسے اپنا آئیڈیل اور نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

اور کیسے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان پیغامات پر عمل کر کے انسان کامیابی وکامرانی سے ہم کنار ہو سکتا ہے؟ اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مکتی اور شانتی عطا کرنے والا مذہب ہے؟

پرانے ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت ہے جسے آج بھی لوگ دیوتا کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر اس کی شخصیت بھی تاریخ کے دبیز پردوں میں گم ہے اور جو کچھ معلوم ہے وہ ان گنت تضاد کا شکار ہے۔ اس کے تعلق سے آج تاریخ کوئی بھی یقینی جواب دینے سے قاصر ہے۔ یوروپین دانشوروں نے بڑی جدوجہد کر کے اس کی شخصیت کا سراغ لگانے کی کوشش کی مگر ناکامی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا۔ قدیم ایشیا کا ایک بہت ہی وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی برما، سیام، چین، جاپان، تبت، افغانستان، ترکستان، ہندوستان اور تمام ایشیائے وسطیٰ میں موجود تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی بودھ کی شخصیت اجاگر نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اس کے زمانہ وجود کی تعین ہی مگدھ دیس، کے راجاؤں کے زمانہ سے کی جاتی ہے۔ چین کے بانی مذہب کنفوشش کے حالات وواقعات بودھ سے بھی بہت کم معلوم ہوئے ہیں۔ جبکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ تفصیلی حالات تورات سے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ توریت جو مارکیٹ میں دستیاب ہے اس کے متعلق مصنفین انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے خیالات کے مطابق یہ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال بعد عالم وجود میں آئی ہے اس تحقیق کے بعد جرمن اسکالرس کا یہ بھی کہنا ہے کہ موجودہ توریت میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا سلسلہ موجود ہے۔ جو باہم کہیں کہیں متضاد ہیں۔ اب ایسی صورت میں بھلا اس توریت کے احکام وفرامین کیسے لائق، اعتماد اور قابل تقلید تسلیم کیے جا سکتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح انجیلوں سے معلوم ہوتی ہے مگر آج ان میں بھی اتنے اختلافات ہیں کہ امریکن ناقدین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود محض فرضی مانتے

ہیں۔ اگر چہ آپ ہمارے نزدیک ایک جلیل القدر اور رفیع الشان پیغمبر اور رسول ہیں مگر ان حقائق کو پیش کر کے مجھے بتانا یہ ہے کہ جب ان بانیان مذاہب کی شخصیت ہی اختلاف کی شکار ہے۔ اور ان کا وجود ہی دنیا کے سامنے حتمی اور یقینی نہیں تو بھلا ان کے مذاہب کس طرح سے دائمی اور ابدی ہو سکتے ہیں؟ ان کے ارشادات اور تعلیمات کہاں تک نجات کا سبب بن سکتی ہیں؟ اور ان کے خیالات کس طرح سے لوگوں کو پرسکون اور مطمئن کر سکتے ہیں؟

مگر ان تمام کرداروں کے برعکس محبوب رب العالمین، حضور رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین، راحت العاشقین احمد مجتبیٰ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ایک ایک پہلو اور آپ کی مقدس زندگی کا ایک ایک گوشہ آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و تابندہ ہے۔ اس دار فانی میں آمد سے لے کر کوچ فرمانے تک زندگی کی ایک ایک ساعت تاریخ کے وسیع سینہ میں محفوظ ہے۔ پیدائش سے لے کر پردہ فرمانے تک مقدس زندگی کا ایک ایک لمحہ احاطۂ تحریر میں قید کر لیا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی حیات طیبہ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے جسے اپنے بھی دیکھ رہے ہیں اور غیر بھی مطالعہ کر رہے ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں وہ جلا پا رہے ہیں اور جو گم گشتۂ راہ ہیں انہیں منزل مقصود کا پتہ مل رہا ہے۔ یہاں نہ کوئی خفا ہے اور نہ پوشیدگی۔ یہاں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ ہی تضاد۔ یہی وجہ ہے کہ متبعین اسلام یہ دعویٰ کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ بلاشبہ آپ کی زندگی ایک آئیڈیل زندگی ہے۔ اور آپ کی شخصیت زندگی کے ہر شعبہ میں نمونہ بنائے جانے کے لائق ہے۔

وہ نبیوں میں نبی ایسے کہ ختم الانبیاء ٹھہرے
حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوب خدا ٹھہرے

اسلام کی ضرورت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ جیسے جیسے دور ہوتا جا رہا تھا انسانیت اسی اعتبار

سے تاریکی کے غار کی طرف بڑھتی جارہی تھی اور آدمیت ختم ہوتی جارہی تھی۔ سورج اپنی پوری جلوہ سامانی کے ساتھ افق مشرق سے نکل کر دنیا کو روشن و تابناک تو کرتا تھا مگر پھر بھی تاریکی اپنی جگہ برقرار تھی۔ چاند کی دودھیا چاندنی بڑی آب وتاب سے نکلتی تھی مگر اس کی منور کرنیں تاریک دلوں کے لیے ضوفشانی کا سامان نہیں پیدا کر پا رہی تھیں۔ آدمی تو چلتے پھرتے تھے مگر آدمیت ختم ہو چکی تھی انسان زندگی بسر کر رہا تھا مگر انسانیت کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ اخلاق ومحبت کی سخت کساد بازاری تھی، نیکی اور بھلائی کا نام بھی لوگ بھول چکے تھے۔ رحم وکرم ناپید تھا، ہمدردی وخیر خواہی کا تصور مٹ چکا تھا۔ تیر وتفنگ سامانِ تفریح تھے اور ظلم وزیادتی محبوب مشغلہ، فکری کج روی وسرکشی باعث فخر اور بے حیائی وفحاشی شان وشوکت کی علامت، جوا اور شراب نوشی کی کثرت سرداری کا لازمہ تھی اور زندہ بچیوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دینا عزت وکمال کی نشانی تھی۔ عبادت وبندگی کا تصور اتنا دھندلا چکا تھا کہ ہر قوی وضعیف کو معبود کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ نہ عبادت کرنے والوں کی گنتی تھی اور نہ معبودوں کا شمار۔ جس کو چاہا معبود بنالیا اور جس کے آگے چاہا ماتھا ٹیک دیا۔ نہ کوئی دستور تھا اور نہ کوئی قانون، نہ کوئی پابندی تھی اور نہ کوئی حد بندی۔ بقول حفیظ جالندھری:

عرب میں جس قدر انسان تھے ان سے سوا بت تھے
یہ خلقت تھی خدا کی اور خلقت کے خدا بت تھے
جدا اک اک خدا تھا ہر قبیلے ہر گھرانے کا
کوئی بت فتح پانے کا کوئی بت بھاگ جانے کا
عرب میں ہر طرف تھا دور دورہ بت پرستی کا
کوئی اندازہ کرسکتا ہے ان لوگوں کی پستی کا
خدا کہتے تھے مٹی، آگ، پانی اور ہواؤں کو
پہاڑوں اور دریاؤں کو بجلی کو گھٹاؤں کو

زمیں پر خاک پتھر اور شجر معبود تھے ان کے
فلک پر انجم و شمس و قمر معبود تھے ان کے

مختصر یہ کہ بے شمار معبودوں کی پرستش کے درمیان انسانیت در بدر کی ٹھوکریں کھارہی تھی۔ آدمیت صحراؤں اور جنگلوں میں دفن ہو چکی تھی۔ مظلوموں کی آہ و فغاں سے فضائے بسیط میں کہرام برپا تھا، اور بیواؤں کے نالہ و شیون سے دھرتی کا سینہ کانپ رہا تھا، انسانیت اور شرافت رحمت باری کے انتظار میں سرگرداں تھی، بے گناہوں کی چیخ و پکار باب اجابت سے ٹکرا ٹکرا کر جاں بلب ہورہی تھی، یتیموں کی آہ وزاری رحمت حق کی جستجو میں گردش کررہی تھی۔ بالآخر ساکنانِ عالم کی اس ناگفتہ بہ حالت کو دیکھ کر رحمت باری کو ترس آ گیا اور ایک دن۔

سحاب نور آکر چھا گیا مکے کی بستی پر
ہوئی پھولوں کی بارش ہر بلندی اور پستی پر
ہوا عرش معلّٰی سے نزولِ رحمت باری
تو استقبال کو اٹھی حرم کی چار دیواری
صدا ہاتف نے دی اے ساکنان خطۂ ہستی
ہوئی جاتی ہے پھر آباد یہ اجڑی ہوئی بستی
مبارکباد ہو بیواؤں کی حسرت زا نگاہوں کو
اثر بخشا گیا نالوں کو فریادوں کو آہوں کو
ضعیفوں بے کسوں آفت نصیبوں کو مبارک ہو
یتیموں کو غلاموں کو غریبوں کو مبارک ہو
معین وقت آیا زور باطل گھٹ گیا آخر
اندھیرا مٹ گیا ظلمت کا بادل چھٹ گیا آخر
مبارک ہو کہ وہ وقت راحت وآرام آپہنچا
نجات دائمی کی شکل میں اسلام آپہنچا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کی حقانیت وصداقت کا دارومدار فخر موجودات منبع الطاف وعنایات، مخزن فضائل وبرکات، حضور سید الانبیا علیہ التحیۃ والثنا کی گرامی قدر شخصیت پر ہے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے عالم کے لیے نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ جن کی گفتار کو اپنی گفتار اور جن کی محبت کو اپنی محبت کا آئینہ قرار دیا۔ جن کی بے مثال حیات طیبہ کا ذکر جمیل قرآن کے مقدس صفحات میں نقش فرمایا۔

جن کا تعارف وَمَا اَرۡسَلۡنَاكَ اِلَّا مُبَشِّراً وَنَذِيُراً سے کرایا۔

جن کی عظمت لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلاً سے واضح کی۔

جن کی رحمت وَمَا اَرۡسَلۡنَاكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِلۡعَالَمِيۡنَ سے بیان کی۔

جن کی رفعت وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ سے ثابت کی۔

جن کی قدرت يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ سے واضح کی۔

جن کی قربت فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنىٰ سے بیان کی۔

جن کی شوکت قَدۡ جَاءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِنۡ رَّبِّكُمۡ سے ظاہر کی۔

جن کی حقیقت قَدۡ جَاءَكُمۡ مِنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَكِتَابٌ مُبِيۡنٌ سے مبرہن کی۔

جن کے رخ وگیسو کا تذکرہ وَالضُّحىٰ اور وَاللَّيۡلِ اِذَا سَجىٰ سے کیا۔

جن کے بصارت مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغىٰ سے بیان کی۔

جن کی رفتار کو سُبۡحَانَ الَّذِيۡ اَسۡرىٰ بِعَبۡدِهٖ سے واضح فرمایا۔

جن کی گفتار کو وما يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوىٰ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡيٌ يُوۡحىٰ سے تعبیر کیا۔

جن کی محبت قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ سے واضح کی۔

اور جن کی سیرت پاک لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ سے بیان کی۔

اس طرح سے آپ کی شخصیت کا ایک ایک پہلو ظاہر ونمایاں ہے۔ اس لیے

اس اعتبار سے دنیا کو اسلام کی صداقت وحقانیت تسلیم کرنے میں کسی کشمکش وپیچ سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ آپ کی شخصیت کو بسر وچشم قبول کر کے سعادت ابدی کا مستحق اور دو جہاں کی سرخروئی کا حقدار بن جانا چاہئے۔

قرآن حکیم: اسلام کی صداقت کی ایک ناقابل تردید دلیل قرآن حکیم ہے۔ اسلام کی جملہ تعلیمات اور احکامات کی بنیاد یہی مقدس کتاب ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلسل تیئس سال پانچ مہینے اور پانچ دن تک وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہی۔ آج دنیا کی تمام کتابیں وقت وحالات کے اعتبار سے ردوبدل کا شکار ہورہی ہیں۔ حتی کہ آسمانی کتابیں بھی بد باطن افراد کی فتنہ سامانیوں سے محفوظ نہ رہ سکیں مگر قرآن مقدس ایک ایسی کتاب ہے جو صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ویسی ہی لفظ بلفظ اور حرف بہ حرف باقی ہے جیسا کہ نازل ہوئی تھی اور بھلا کیوں نہ ہو کہ یہ وہ کتاب ہے جس کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے لی ہے۔ اس کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (۱۴الحجر آیت:۹)

بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (کنزالایمان)

اس فرمان الٰہی سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جہاں قرآن کریم کا محافظ ونگہبان ہے۔ وہیں اس کے احکامات وتعلیمات یعنی مذہب اسلام کا بھی حامی وناصر اور محافظ ونگہبان ہے۔

پروردگار عالم نے قرآن کی صورت میں انسانیت کو سنوارنے کا ایسا نسخہ عطا فرمایا اور آدمیت کو بام عروج پر پہنچانے کے لیے ایسا دستور العمل عطا کر دیا ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر پوری دنیا امن وسکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ ہر طرف امن وامان اور اطمینان وسکون کی باد بہاری چل سکتی ہے۔ انسانیت بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن ہوسکتی ہے۔ اسی لیے شاعر نے کہا ہے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ❁ اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اسلامی تعلیمات: اسلامی تعلیمات کا اگر سرسری جائزہ بھی پیش کیا جائے تو بات کافی لمبی ہو جائے گی۔ جس کی یہ محفل متحمل نہیں۔ اس لیے صرف چند جملوں میں اس کے فضائل ومحاسن کی طرف اشارہ کر کے اپنی گفتگو سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہوں، تا کہ آپ کے دل ودماغ پر اسلام کی صداقت وحقانیت کے نقوش مزید مرتسم ہو جائیں۔

خدمت بقدر وسعت: اسلامی تعلیمات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ''خدمت بقدر وسعت'' کا جلوہ ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو انہیں کاموں کا حکم دیتا ہے جنہیں لوگ بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔ مثلاً نماز کے لیے وضو ضروری ہے مگر جو شخص شرعی حدود کے اندر پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو اسے تیمم جائز ہے۔ ایسا نہیں کہ اسے جان پر کھیل کر پانی کا استعمال کرنا ہی ہے۔ نماز میں قیام فرض ہے لیکن مجبوری و بیماری کی وجہ سے اگر کھڑا نہیں ہو سکتا تو اسے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے حتی کہ بوجہ مجبوری لیٹ کر بھی نماز درست ہے۔ عاقل وبالغ مسلمان پر روزہ فرض ہے مگر شرعی معذور اس سے مستثنیٰ ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے مگر غریب انسان اس فرضیت کے دائرہ سے باہر ہے حج فرض ہے مگر جو استطاعت نہیں رکھتا اس پر فرض نہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام کے جتنے بھی مطالبات ہیں انہیں لوگوں سے ہیں جو اس کے اہل ہیں۔ فطرت کے عین مطابق ہیں۔ انسانوں کی قدرت ووسعت کے دائرہ میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر شخص اور ہر فرد کے لیے قابل عمل ہے۔ اسلام ہر شخص اور ہر قبیلہ کے لیے دلکش اور جاذب نظر ہے۔ جس کے ثبوت میں وہ جیالے افراد پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جو اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر ہزار ہا رکاوٹوں کے باوجود اسلام قبول کر رہے ہیں اور خود ہی بڑی سرگرمی اور دلچسپی سے ناآشنا افراد کو اسلام کی دعوت پیش کر کے انہیں بھی حلقہ بگوش اسلام کر رہے ہیں۔

اسلام نشانے پر؟ مگر اسی کے ساتھ یہ حیرت انگیز بات آپ جیسے باشعور حضرات سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ آج باطل قوتیں اسلام کی ہمہ گیر پیش رفت کو

دیکھ کر سراسیمہ اور پریشان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اور غلط پروپیگنڈہ کا سہارا لے کر اسلام کی روشن وتابندہ تعلیمات کو مجروح کرنے کی ناپاک جسارتیں کررہی ہیں۔ پچھلی تقریباً ڈیڑھ صدی سے اسلام پر سب سے بڑا حملہ مادیت اور سائنس کی طرف سے ہوا ہے۔ سائنس کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کے جوابات درحقیقت سائنس ہی کی زبان میں ہونے چاہیے۔ یہ سائنس کا ایک خوبصورت فریب ہے۔ وہ جانتی ہے کہ ایک عام آدمی سائنس سے واقف نہیں ہوتا اس لیے جواب نہیں دے سکتا اس طرح اسے گمراہ کیا جاسکتا ہے لیکن اسلام دین فطرت ہے۔ مادیت شاید یہ بھول گئی ہے پچھلے تیرہ سوسالوں میں اسلام پر ہر ہر طرح کے حملے ہوچکے ہیں اور اسلام نے ان کا تسلی بخش جواب بھی دیا ہے مادیت کے موجودہ اعتراضات کے جوابات بھی مشکل نہیں ہیں۔ تقریباً اسی سال پہلے مادیت کا سب سے بڑا حربہ خدا کے وجود سے انکار تھا لیکن آج بڑے سے بڑا سائنسداں بھی خدا کے وجود کا قائل ہے۔

کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ کسی ایک مذہب کے خلاف سارے مذاہب سائنس اور مادیت مجتمع ہوگئے ہوں اور پھر اس مذہب نے نہ صرف اپنا وجود ہی برقرار رکھا ہو بلکہ بھرپور اور کامیاب دفاع بھی کیا ہو ان جنگوں میں اگر اسلام کو شکست ہوتی تو وہ بحیثیت اسلام ختم ہوجاتا وہ کم از کم اپنی اصل صورت میں باقی نہ رہتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس اور مادیت نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے کل تک خدا کچھ نہ تھا لیکن آج وہ قوت کا سرچشمہ مانا جاتا ہے۔ کل تک سائنس جن چیزوں کا مضحکہ اڑارہی تھی آج وہ خود انہیں ثابت کررہی ہے۔ مادیت کا سیلاب یورپ کے نوجوانوں کو بہالے گیا وہاں کا ہر دانشور آج نئی نسل کا ماتم کرتا نظر آرہا ہے مادیت یعنی کمیونزم نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے ایک ملک کا کمیونزم دوسرے ملک کے کمیونزم کو سامراجی کمیونزم کہتا ہے۔ آج اگر امریکہ اسرائیل کی مدد کررہا ہے آج اگر ہندوستان میں مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش ہورہی ہے اور اگر آج یورپ سے

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف مواد چھپ چھپ کر آ رہا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پوری دنیا اسلام سے خائف ہے۔دنیا کے افق پر پھر ایک بار اسلام کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ مغرب کی ایجاد کردہ بادِ سموم نے خود مغرب کے نوجوانوں کا ذہنی سرمایہ زہر آلود کر دیا ہے۔ امریکی اور یوروپین سائنس اپنی منتہا کو پہنچ کر روبہ زوال ہے۔ روس اور چین میں مارکس، لینن اور ماؤ آپس میں برسرپیکار ہیں۔ یہ فلسفے اپنا اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب اسلام کی خیرہ کن روشنی کے سامنے یہ تاریکیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گی اور اسلام اپنی پوری توانائی کے ساتھ ساکنان عالم کے دلوں پر چھا جائے گا، انشاء المولیٰ العزیز۔

پروردگار عالم ہمارے قلوب کو اسلام کی نوری کرنوں سے منور و مجلی فرمائے۔

آمین ثم آمین

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغاز باب تھا

وَآخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اسلام اور عبادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاكَ وَالْاَرْضِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَاتِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰرِیٰتِ آیت:۵۶)

اور میں نے جن اور آدمی اپنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔ (کنز الایمان)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔

محترم حضرات تلاوت کردہ آیت کریمہ پر روشنی ڈالنے سے قبل نہایت ہی خلوص ومحبت اور عقیدت واحترام کے ساتھ سرکار ابد قرار سید ابرار واخیار صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں درود پاک کی نذر پیش کریں اور پڑھیں بآواز بلند۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

اے مسلماں کیوں نہ عالم میں تیری توقیر ہو
حب حق سے آب وگل کی جب تیری تعمیر ہو
رخ پہ تیرے جلوۂ اسلام کی تنویر ہو
آئینہ قالوا بلی کی ہر نظر تفسیر ہو
اس طرح سے پیروی سنت شبیر ہو
سر ہتھیلی پر ہو لب پہ نعرہ تکبیر ہو
اے مسلماں تیرا نصب العین بیداری رہے
ولولہ انگیز دل میں ذوق دیں داری رہے

کلمہ حق ہر گھڑی لب پہ تیرے جاری رہے
ترے ہر ایک عزم میں روح فدا کاری رہے
تیری ہستی جلوۂ اسلام کی تنویر ہو
سر ہتھیلی پر ہو لب پہ نعرہ تکبیر ہو
دین فطرت کی ودیعت کا یہاں حامل ہے تو
شرع ہے تیری مکمل دین میں کامل ہے تو
شمع ایماں کے لیے پروانۂ بسمل ہے تو
یہ سبھی کچھ حق بجانب ہے مگر غافل ہے تو
ہاں سنبھل جا ماضی سے اب نہ یوں دلگیر ہو
سر ہتھیلی پر ہو لب پہ نعرۂ تکبیر ہو

محترم حضرات! عزیزان ملت اسلامیہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی دانائے راز، حکیم مطلق اور مدبر کائنات ہے۔ اس کا کوئی بھی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں مثال کے طور پر آسمان کا نیلگوں شامیانہ ہو یا زمین کا مخملی فرش، سورج کی تمازت ہو یا چاند کی جگمگاہٹ، ستاروں کی بارات ہو، یا قطروں کی برسات، فرشتوں کا وجود ہو یا جنوں کی پیدائش انسانوں کی تخلیق ہو یا دیگر حیوانات و جمادات کا ظہور۔ کوئی بھی شئے مصلحت سے خالی نہیں۔

آیئے اس مختصری مجلس میں اس موضوع پر غور کرتے ہیں کہ آخر انسانوں کا یہ جم غفیر دنیا کے اندر کیوں بھیجا گیا؟ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟

حضرات! اس حقیقت سے کسی کو انکار کی گنجائش نہ ہوگی کہ اشیاء کا موجد اپنی ایجاد کی حقیقت کی سب سے بہتر اور عمدہ وضاحت کر سکتا ہے۔ بلا تشبیہ اللہ رب العزت تمام انسانوں ہی کا نہیں بلکہ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے۔ لہٰذا اس سوال کا سب سے بہتر جواب وہی ہوگا جو اللہ رب العزت کے کلام سے واضح ہو۔ قرآن مقدس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار عالم نے اس حقیقت کی وضاحت بڑے ہی صاف ستھرے

اور نکھرے ہوئے انداز میں بیان فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ.

اور میں نے جن اور آدمی اپنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کرے۔ (کنزالایمان)

یہاں پر کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ اور دوسری مخلوق بھی خدا کی عبادت و بندگی اور تسبیح و تہلیل بیان کرتی ہے یا صرف انسان اور جنات ہی اس کی عبادت و بندگی کرتے ہیں؟

اس شبہ کا قرآن مقدس میں متعدد جگہوں پر ازالہ کیا گیا ہے اور یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ خدا کی عبادت اور اس کی تسبیح و تحمید، تہلیل و تمجید صرف انسان اور جنات ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر ایک چیز اللہ رب العزت کی پاکی و بزرگی اور تسبیح و تحمید میں معروف ہے۔ کائنات کا کوئی ایسا ذرہ نہیں جو رب کی یاد سے غافل ہو، جیسا کہ پروردگار عالم کا فرمان ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ. (الجمعه)

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بادشاہ کہ کمال پاکی والا عزت والا حکمت والا۔ (کنزالایمان)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (التغابن)

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ملک ہے اور اس کی تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (کنزالایمان)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.
(الحدید، آیت: ۱)

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور عزت و حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الحشر آيت:٢٤)

اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔(کنز الایمان)

يُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْماً غَفُوْراً۔ (بنى اسرائيل آيت:٤٤)

اس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے بیشک وہ حلم والا اور بخشنے والا ہے۔(کنز الایمان)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (النور آيت:٤١)

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمان اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے ہوئے سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے۔(کنز الایمان)

قرآن مقدس کی یہ واضح اور روشن آیتیں بتارہی ہیں کہ کائنات کی ساری چیزیں خدا کی عبادت کررہی ہیں۔ خواہ وہ انسان ہو یا جنات، حیوانات ہوں یا نباتات، شجر ہو یا حجر، شمس ہو یا قمر، خشک ہو یا تر، چرند ہو یا پرند، جاندار ہو یا بے جان، ساری چیزیں خدا کی عبادت میں مصروف ہیں۔ رات اور دن کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو خدا کی عبادت سے خالی ہو ساتوں آسمانوں پر فرشتے اپنے اپنے انداز میں رکوع و سجود اور قیام و قعود میں تسبیح کررہے ہیں اور زمین کے گوشہ گوشہ میں ہر لمحہ خدا کی عبادت ہورہی ہے۔ تقریباً سو کروڑ سے زائد مسلمان دنیا کے مختلف ملکوں میں آباد ہیں ہر ملک کے اوقات میں اختلاف ہے، کہیں صبح ہے اور کہیں شام، کہیں رات ہے اور کہیں دن، کہیں دھوپ ہے اور کہیں چھاؤں، کہیں سردی ہے اور کہیں گرمی، کہیں روشنی ہے

اور کہیں تاریکی، اس وجہ سے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ روئے زمین پر ہر وقت اور ہر لمحہ خدا کی عبادت و بندگی ہو رہی ہے اور اس کی عظمت و کبریائی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ذرہ ذرہ ذکر خدا میں: صاحب نزہۃ المجالس ایک بزرگ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ پڑھی تو ان کے دل میں خیال آیا کہ اگر یہی بات ہے تو پھر ان چیزوں کی آواز آخر ہمیں سنائی کیوں نہیں دیتی؟ ابھی یہ خیال ان کے ذہن کے پردے سے ٹکرایا ہی تھا کہ انہیں پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی اور وہ لوٹے کی طرف بڑھے جیسے ہی ان کا ہاتھ لوٹے سے لگا فوراً اس میں سے آواز آنے لگی۔ اللہ اللہ اللہ۔ انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور دل ہی دل میں کہا جو لوٹا ذکر الٰہی میں معروف ہو اسے لے کر بیت الخلاء میں جانا مناسب نہیں۔ لہٰذا اسے چھوڑ کر مٹی کے ڈھیلے کی طرف بڑھے جب ذرا قریب ہوئے تو پتہ چلا کہ مٹی کے اس ڈھیلے سے بھی وہی ''اللہ اللہ'' کی صدا آرہی ہے۔ یہ سن کر وہ بڑے پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ یہ ڈھیلا بھی تو بڑا مقدس ہے یہ تو اللہ کے ذکر میں معروف ہے بھلا اس سے استنجا کرنا کیسے جائز ہوگا؟ پھر وہ کسی دوسری چیز کی طرف مڑے مختصر یہ کہ جس چیز کی طرف رخ کرتے اسے ذکر الٰہی میں معروف پاتے اب ان کی حالت غیر ہونے لگی سخت پریشانی کے عالم میں سوچنے لگے کہ آخر کریں تو کیا کریں؟ اور جائیں تو کہاں جائیں؟ اس وقت ان کے کانوں میں ہاتف غیبی کی آواز آئی۔ اے میرے بندے معاملہ سمجھ میں آیا؟ ہم ان چیزوں کی آوازیں تم تک اس لیے نہیں پہنچنے دیتے ہیں تاکہ تمہارے کاروبار حیات رک نہ جائیں۔ اتنا سننا تھا کہ وہ بزرگ سجدے میں گر گئے اور اپنے خیال پر شرمندہ ہوئے۔

جسم اور روح: آج انسان مادی اور دنیاوی ترقیوں میں اتنا مست ہو چکا ہے کہ وہ بنیادی حقیقتوں کو فراموش کرتا چلا جا رہا ہے۔ اب آپ یہی دیکھ لیں کہ آج جسم کو سجانے اور سنوارنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ آج جسم کو آرام پہنچانے کے لیے انسان دن کا چین اور رات کا سکون کھو بیٹھا ہے۔ ہر لمحہ مشین کی

طرح گردش کر رہا ہے۔ ہر گھڑی نئے نئے منصوبے اور نئی نئی اسکیمیں نکال رہا ہے۔ ہر ساعت نئے نئے خیالات جنم لے رہے ہیں۔ کیوں؟ صرف اور صرف اس لیے تا کہ جسم کو سکون نصیب ہو جائے۔ مگر افسوس صد افسوس!

اس انسان نے کبھی اس حقیقت پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ جس جسم کو آرام وسکون پہنچانے کے لیے ساری توانائیاں صرف کی جارہی ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ تو صرف چند روزہ اور فانی ہے اور جو باقی ہے اور باقی رہنے والی ہے یعنی روح اس کی طرف ذرہ برابر توجہ ہی نہیں۔ ہائے یہ کتنے افسوس کا مقام اور حیرت کی بات ہے؟

روح کی حقیقت اور اس کی طاقت وقوت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہی روح جب انسان کے جسم سے نکل جاتی ہے تو وہ انسان خواہ کتنا ہی تنومند اور خوبصورت کیوں نہ ہو۔ چاہے وہ کتنا ہی خوبصورت اور ہر دلعزیز کیوں نہ ہو لیکن کوئی بھی آدمی اسے چند دنوں تک اپنے گھر میں رکھنا گوارہ نہیں کرتا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ادھر روح نکلی اور ادھر جسم کو باہر لے جانے کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل قدر وقیمت روح کی ہے نہ کہ جسم کی۔ لہٰذا روح کی زیب وزینت اور راحت وآرام کا خیال ترک کر کے صرف جسم کی آرائش وزیبائش اور جمال وکمال کا اہتمام کرنا پرلے درجے کی نادانی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی حیات مقدسہ اور ان کی سیرت پاک کا ایک ایک لمحہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ان مقدس حضرات نے ہمیشہ اپنی روح کی تسکین کا سامان کیا ہے اور جسم سے کہیں زیادہ روح کو منور ومجلی فرمایا ہے اور جسمانیت سے زیادہ روحانیت کو تر وتازہ کیا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کا نام نامی اسم گرامی زندہ وتابندہ ہے۔

انعام خداوندی: آج انسان دنیا حاصل کرنے کی فکر میں آخرت سے بالکل غافل ہو چکا ہے، خشیت الٰہی اور خوف ربانی کا دور دور تک شائبہ نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج انسان دنیا کمانے کے لیے ہر جائز وناجائز طریقہ اپناتا چلا جارہا ہے۔ دنیا کے حصول اور مال ودولت کا انبار اکٹھا کرنے میں اتنا مست وبے خود ہو چکا

ہے کہ اسے کسی دوسری چیز کی پرواہ ہی نہیں مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی اسے راحت کی نیند میسر نہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ خوف خدا کو دل میں رکھ کر عبادت بھی کرتے ہیں اور اہل وعیال کی پرورش کے لیے دنیاوی کاروبار بھی کرتے ہیں۔ جو لوگ آخرت کو پیش نظر رکھتے ہیں اور دنیاوی معاملات کو بھی سلجھاتے ہوئے چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیاوی دولت سے بھی مالا مال کرتا ہے اور دلی اطمینان وسکون بھی عطا فرماتا ہے۔ پتہ چلا کہ اصلی اطمینان دولت وثروت کے انبار اور دنیاوی خزانوں کے ڈھیر میں نہیں بلکہ اصلی اطمینان اور قلبی سکون اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پ:۱۳، الرعد آیت:۲۸)

سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔ (کنز الایمان)

اس لیے انسان کو چاہئے کہ عبادت الٰہی سے غافل نہ ہو کیونکہ حقیقی اطمینان اسی کے دامن سے وابستہ ہے۔

عبادت اسلامی نقطۂ نظر سے: اس دنیا میں اسلام کے علاوہ اور بھی بہت سے مذاہب ہیں ان میں سے ہر ایک میں کسی نہ کسی طرح عبادت کا تصور پایا جاتا ہے آج کے مشہور مذاہب میں عیسائیت، ویہودیت اور بدھ ازم وہندومت کی اپنی اپنی ایک پہچان ہے ان تمام مذاہب کا باریکی سے مطالعہ کرنے اور ان کے طریقہ عبادت پر غور وفکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے یہاں عبادت کا مفہوم ترک دنیا، گوشہ نشینی اور خواہشات نفسانی کا گلہ گھونٹنا ہے بلفظ دیگر ان کی شریعت زندگی کے اسرار ورموز سے آگہی، فکر ونظر کی بلندی، عزم وحوصلہ کی فراوانی، رزمگاہ حیات کی سرکوبی اور باہمی تعاون وامداد نہیں سکھاتی بلکہ زندگی سے فرار، عزم وحوصلہ کی شکستگی اور یاس وقنوطیت کا درس دیتی ہے وہ انسانی طاقت اور قوت تسخیر کو فنا کرکے جمود وتعطل کا پیغام دیتی ہے وہ انسانی رشتوں کو ختم کرکے اجنبیت کا سبق سکھاتی ہے۔ ان تمام مذاہب وادیان کے برعکس اسلام میں عبادت کا مفہوم بہت

وسیع اور کشادہ ہے اسلام نہ تو ترک تعلق کی دعوت دیتا ہے اور نہ ہی تجرد و گوشہ نشینی کو سراہتا ہے۔ وہ نہ تو انسانی تعلقات کو منقطع کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور نہ ہی جذبات و خواہشات کا قلع قمع کرنا گوارہ کرتا ہے۔ بلکہ اسلام اگر اساسی نقطۂ نظر سے بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریزی کو عبادت قرار دیتا ہے تو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے حکمرانی و جہاں بانی کو بھی عبادت ہی قرار دیتا ہے۔ بلاشبہ اس مقام پر پہنچ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے مفہوم عبادت میں زندگی کی پوری جلوہ سامانی اور فکر و نظر کی پوری تابندگی موجود ہے۔ اسلام اگر نماز روزہ اور حج و زکوٰۃ کو عبادت کا درجہ عطا کرتا ہے تو اپنے لیے اور اپنے بال بچوں کے لیے کسب حلال کو بھی عبادت ہی قرار دیتا ہے۔ رات کے سناٹے میں اگر گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت و بندگی کو مستحسن قرار دیتا ہے تو دن کے اجالے میں غریب و محتاج اور بے کس و مجبور لوگوں کی فریادرسی اور امداد کو بھی عبادت ہی میں شمار کرتا ہے۔ اسلام اگر اپنے نفس کو قدسی صفت بنانے کی ترغیب دیتا ہے تو دوسروں کی اصلاح و تربیت کو بھی عبادت ہی کا درجہ عطا کرتا ہے۔ اسلام اگر ایک طرف توکل علی اللہ کی دعوت دیتا ہے تو دوسری جانب محنت و مشقت سے روزی حاصل کرنے کو بھی لازمۂ حیات قرار دیتا ہے۔ اسلام اگر روزہ کا حکم دیتا ہے تو اس میں بھی سماج کے غربا و مساکین ہی کی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے۔ تاکہ ایک امیر انسان بھوکا رہ کر غریبوں کی آتش شکم کا احساس کر سکے اسلام نے زکوٰۃ کی صورت میں غریبوں کی شکم سیری اور تن پوشی کا انتظام کر دیا۔ حج کے ذریعہ جہاں علائق دنیاوی سے ترک تعلق کی تعلیم ملتی ہے۔ وہیں ایک مرکز پر اکٹھا ہو کر اجتماعیت کا سبق بھی ملتا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام نے عبادت کا جو حسین اور وسیع مفہوم پیش کیا ہے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب اس سے یکسر خالی ہیں۔ اسلام نے جو چیزیں بصورت فرض قرار دی ہیں۔ ان کا مقصد انسانی زندگی کے ہر لمحہ کو عبادت کے دائرے میں لانا ہے اور انسان کے دل و دماغ میں اس اعتقاد کو راسخ کرنا کہ ہے انسانی زندگی کا ہر لمحہ عبادت بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ عبادت کے مفہوم کو سمجھ کر اسے اپنی زندگی کے لمحات

میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ مگر آج حالات اتنے ابتر ہو چکے ہیں کہ جس اسلام نے عبادت کو اتنا وسیع مفہوم عطا کیا ہے اس کے ماننے والے عبادت سے اتنے ہی دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ جبکہ اس کی پیدائش کا مقصد ہی عبادت بتلایا گیا ہے۔

عبادت کے دنیاوی فائدے: اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت واطاعت سے آخرت کی سرخروی اور کامیابی تو ہر شخص پر ظاہر ہے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جو عبادت گزار بندہ ہے اسے آخرت میں طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا اور بے شمار سعادتوں سے نوازا جائے گا۔ یہ ساری حقیقتیں اپنی جگہ مسلّم ہیں مگر انسان کو اس بات سے بھی بے خبر نہیں ہونا چاہئے کہ عبادت وریاضت سے جہاں آخرت کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہیں دنیا میں بھی اس کی لاتعداد برکتیں اور سعادتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ انسان عبادت الٰہی کے صدقے میں دنیا میں بھی بہت سے فائدے حاصل کرتا ہے۔ مثلاً

(۱) عبادت گذار انسان کی روزی بڑھادی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ کے دولفظ ہر مخلوق کی نماز ہیں اور انہی کی برکت سے ہر چیز کو رزق عطا ہوتا ہے۔

(۲) عبادت سے دنیاوی بلائیں ٹل جاتی ہیں۔

(۳) عبادت سے مال، اولاد اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

(۴) عبادت گذار کی محبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھادی جاتی ہے۔

(۵) عبادت کی برکت سے بہت سی بیماریوں سے شفا مل جاتی ہے۔

(۶) عبادت گذار بندہ کی عبادت آنے والی نسل کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔

گناہوں کے دنیاوی نقصانات: اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہ کی نحوست انسان کو آخرت میں تباہ وبرباد کردے گی۔ الا ماشاء اللہ۔ گناہ کے اخروی نقصانات کی جو تباہ کاریاں ہیں فی الحال میں اس طرف آپ کو متوجہ کرنا نہیں چاہتا کہ وہ تو آپ عام طور سے وعظ وبیان اور تقریر وخطابت میں سنتے ہی رہتے ہیں

سر دست میں آپ کے سامنے گناہ کے دنیاوی نقصانات کا اجمالی خاکہ پیش کر کے آپ کے دل و دماغ کے بند دریچوں کو کھولنے کی کوشش کروں گا۔ تا کہ میرے ساتھ ساتھ آپ کو بھی پتہ چل جائے کہ اس گناہ کی نحوست انسان کو صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی طرح طرح کی مصیبتوں اور تباہیوں میں جتلا رکھتی ہے۔

(۱) رزق کم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُ (مسند احمد)

بیشک آدمی گناہ کے سبب جسے وہ اختیار کرتا ہے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۲) اللہ اور اس کے محبوب بندوں سے وحشت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) بلاؤں کی کثرت سے ہر کام میں دشواری پیش آتی ہے۔

(۴) قلب میں تاریکی چھا جاتی ہے۔ قلب کی اس سیاہی کا اثر آنکھ اور چہرے سے ظاہر ہونے لگتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے سے چہرے پر رونق، قلب میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت اور لوگوں کے قلوب میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بدی کرنے سے چہرے پر بے رونقی قبر اور قلب میں تاریکی، بدن میں سستی، رزق میں تنگی اور لوگوں کے دلوں میں بغض ہوتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے۔

عدل و انصاف فقط حشر پہ موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

(۵) گناہوں سے کھیتوں اور باغات کی پیداوار میں کمی ہو جاتی ہے۔

(۶) مرتے وقت کلمہ توحید کی ادائیگی میں دشواری ہوتی ہے۔

گناہ کی اور بھی بہت سی تباہ کاریاں ہیں۔ عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہے۔

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ؟
دو اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کرے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اسلام اور ولایت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ. اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (پ۱۶،ع۹)

بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کرے گا۔ (کنز الایمان)

محترم سامعین کرام! سلسلہ گفتگو آگے بڑھانے سے پہلے نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ سرکار مدینہ راحت قلب وسینہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی جاہ میں سلاموں کا تحفہ پیش کرنے کی سعادتیں حاصل کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ مَا فِیْ جَمِیْعِ الْقُرْآنِ حَرْفاً حَرْفاً وَبِعَدَدِ کُلِّ حَرْفٍ اَلْفاً اَلْفاً۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
غبار آلود ہیں لیکن حقارت سے نہ دیکھ ان کو
کہ ان کی ٹھوکروں سے سلطنت بنتی بگڑتی ہے

حضرات! یہ بات بالکل حتمی اور یقینی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین۔ احکم الحاکمین۔ فعال لما یرید۔ اور صاحب کن فکاں ہے۔ وہ خالق ہفت آسماں اور مالک ایں وآں ہے۔ مگر ان ساری حقیقتوں کے باوجود اس کا ہر کام اسباب ووسائل ہی کے حوالے سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کائنات کو عالم اسباب کے نام سے جانا جاتا ہے۔

انسانوں کا یہ جم غفیر جو دن ورات کائنات کی تسخیر میں سرگرداں اور نت نئی ایجادات میں مصروف ہے۔ اس کے تسکین جسم وروح کے لیے اس نے ان گنت چیزیں پیدا کی ہیں۔ جس طرح جسم کی تسکین کے لیے زمین کا مخملی فرش بچھایا۔ آسمان کا شامیانہ لگایا۔ کھیتوں سے اناج اور سبزہ اگایا۔ درختوں سے قسم قسم کے پھل فروٹ پیدا کیے۔ اسی طرح اس نے روح کی آرائش وزیبائش اور راحت وآرام کی خاطر اپنے ذکر وفکر، تسبیح وتہلیل اور اوراد ووظائف کا نسخہ عطا فرمایا۔ اور ان نسخوں کا طریقہ استعمال بتانے کے لیے ہر دور اور ہر زمانے میں انبیار کرام کو مبعوث فرماتا رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر شہنشاہ ذی وقار نائب پروردگار، سید ابرار واخیار، سرور کائنات حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیار کرام اور رسولان عظام کی ایک نورانی قطار اسی مقصد خیر کے لیے سجائی گئی۔

روح کی بالیدگی اور اس کی تقویت اللہ تبارک تعالیٰ کو بہت پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ اسی لیے اس نے کبھی اپنے بندوں کو بے یار ومددگار نہ چھوڑا بلکہ ہمیشہ ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے کوئی نہ کوئی چراغ جلائے رکھا۔ جب کبھی اس کی لو مدہم پڑتی تو اس کی جگہ کوئی دوسرا چراغ روشن کر دیا جاتا۔ مگر جب نبی آخر الزماں، فخر رسولاں انیس بیکساں مسیحائے دو جہاں حضور روحی فدا صلی اللہ علیہ وسلم آسمان نبوت ورسالت کے شمس وقمر بن کے چمکے تو دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہوا ماضی کی تمام حقیقتیں تاریخ کا روشن باب بن گئیں۔ صدیوں کی مذہبی داستاں جس نقطۂ عروج کی آرزومند تھی۔ اس نے اپنے جمال جہاں آرا سے کائنات کے ذرے ذرے کو منور

وتجلی کر دیا۔ آپ کی حیات ظاہری تک ہر چیز اپنی طاقت واستطاعت بھر فیضیاب ہوتی رہی۔ مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قانون خداوندی کل نفس ذائقة الموت کے تحت اس سرائے فانی سے منتقل ہوئے تو ایسا نہیں کہ آپ کی رحلت کے ساتھ آپ کا سلسلہ فیض بارانی کم ہوگیا ہو۔ یا آپ کی بساط مذہب سمٹ گئی ہو۔ یا آپ کے چراغ کی لو مدہم اور آپ کی خدمت تبلیغ غبار آلود ہوگئی ہو۔ نہیں ایسا نہیں ہوا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مذہب کی حفاظت کی خاطر آپ کے غلاموں میں سے دو ایسے گروہ کو منتخب فرمالیا ہے جو اپنی بھرپور کوششوں سے اس دین کے فروغ میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ اولیاء کرام کا ہے اور دوسرا علماء عظام کا سردست مجھے آج کی محفل میں اولیاء کرام کی عزت وعظمت اور اسلام کے حوالے سے ان کے تقدس وبزرگی کو بیان کرنا ہے۔ تاکہ صحیح معنوں میں ان کی قدر ومنزلت سے واقفیت حاصل کر کے ان سے فیوض وبرکات حاصل کرسکیں۔

اولیاء کرام قرآن کی نظر میں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں اپنے محبوب بندوں کا ذکر بڑے اہتمام سے فرمایا ہے۔ متعدد مقامات پر مختلف انداز میں ان کے فضائل ومناقب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک مقام پر ان کا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

دوسرے مقام پر ان کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

تیسرے مقام پر انہیں خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

انہیں نفوس قدسیہ کے متعلق فرمایا گیا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔

نیز انہیں کا تعارف ان الفاظ میں بھی کرایا گیا ہے۔

اِنْ اَوْلِيَاۗؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔

اولیاء کرام سے وہ کام جو خرق عادت کے طور پر صادر ہوتے ہیں۔ انہیں کرامت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کرامت کی اسلام میں مستقل ایک حیثیت ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اولیاء کرام کی بزرگی کا بیان ہے وہیں ان کی کرامتوں کے تذکرے بھی موجود ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم بنت عمران کے پاس بے موسم انگور کا گچھا پانا۔ یہ حضرت مریم کی کرامت ہے اور قرآن سے ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے حضرت آصف بن برخیا کا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کا حاضر کر دینا یہ حضرت آصف کی کرامت ہے اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے۔ پتہ چلا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو اپنی عطا سے مخصوص طاقت وقوت سے نواز کر ان کی شخصیت کو لوگوں کے لیے مشعل راہ اور رہنمائے منزل بناتا ہے۔

اولیائے کرام احادیث کی روشنی میں: اولیائے کرام کی عظمت وفضیلت پر بے شمار احادیث مبارکہ شاہد ہیں۔ ان تمام کا بیان کرنا تو دشوار ہے چند احادیث مبارکہ پیش ہیں۔ سماعت کیجئے اور اولیاء کرام کی عظمت شان کی جھلک ملاحظہ کیجئے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاساً مَاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبَطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهُدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا اِلَى اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَاَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَهُمْ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ (ابوداؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض لوگ ایسے ہیں جو انبیاء اور شہدا تو نہیں مگر انبیاء و شہیدان کے مرتبوں پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ وہی لوگ ہوں گے جو بغیر کسی قرابت داری اور دنیاوی تعلق کے اللہ کی رحمت سے لوگوں میں محبوب ہوں گے۔ پروردگار کی بارگاہ میں ان کے چہرے منور ہوں گے۔ اور انہیں کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔ اور آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

آیئے ان اللہ والوں کا مقام قرب ملاحظہ کرنے کے لیے یہ حدیث پاک بھی سماعت کیجئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ۔ (بخاری شریف ۶۳/۲، مطبوعہ مجتبائی)

(اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کی زبان فیض ترجمان کے توسط سے فرمایا کہ) جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور جن چیزوں کے ذریعہ بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں۔ پھر میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں ضرور دیتا ہوں۔ اور اگر مجھ سے پناہ مانگ

کر کسی چیز سے بچنا چاہے تو ضرور بچاتا ہوں۔

مطلب یہ کہ اللہ کے یہ بندے اپنی ذات کو راہ مولیٰ میں فنا کر دیتے ہیں۔ اب ان کی اپنی کوئی خواہش باقی نہیں رہ جاتی اب وہ جو بھی سوچتے ہیں مرضی مولیٰ کے جلوؤں کی تابانی میں سوچتے ہیں، اب وہ جو بھی قدم اٹھاتے ہیں وہ شریعت کے مقصود و مطلوب کو پیش نظر رکھ کر اٹھاتے ہیں۔ اب وہ اپنی ہستی کو مٹا کر اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں انوار و تجلیات ربانی کی موسلا دھار برسات ہوتی رہتی ہے۔ اب وہ مقام محبوبیت کی اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں **فکنت سمعه الذی یسمع به ویده الذی یبطش بها** کا اطلاق ہونے لگتا ہے۔ اب کان تو اس بندہ مومن کا ہوتا ہے مگر سننا قدرت الٰہی سے ہوتا ہے آنکھ بندہ مومن کی ہوتی ہے مگر دیکھنا قدرت الٰہی کا ہوتا ہے ہاتھ بندہ مومن کا ہوتا ہے مگر گرفت قدرت الٰہی کی ہوتی ہے۔ پاؤں بندہ مومن کا ہوتا ہے مگر قوت رفتار قدرت الٰہی کی ہوتی ہے اور سوال کرنا بندہ محبوب کی بارگاہ میں ہوتا ہے۔ مگر عطار و نوازش خزانہ الٰہی سے ہوتی ہے۔ اب جس کا جی چاہے ان کی بزرگی تسلیم کر کے محبوب بارگاہ بنے اور جس کا جی چاہے ان کی عظمت کا انکار کر کے مردود بارگاہ بنے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ آج صرف خوش عقیدہ مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت اور صرف انسانیت ہی نہیں بلکہ کائنات کا ایک بڑا حصہ اولیائے کرام کے وجود مسعود سے فیضیاب ہے۔ جو مانتے ہیں وہ بھی ممنون کرم ہیں اور جو نہیں مانتے ان پر بھی بارش الطاف و عنایات ہیں۔ یہ حضرات چونکہ مظہر صفات الٰہیہ ہوتے ہیں اس لیے یہ اپنے اور بیگانے کو نہیں دیکھتے بلکہ یہ تو مخلوق خدا کو دیکھتے ہیں۔ زبان والوں کی زبان سمجھتے ہیں اور بے زبانوں کے احساسات ملاحظہ فرماتے ہیں۔

باران رحمت کے لیے وسیلہ: اولیاء کرام کی ذوات مقدسہ

منبع فیوض وبرکات ہیں امیر المومنین مولائے کائنات علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْاَبْدَالُ بِالشَّامِ وَھُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَالَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ رَجُلًا یُسْقٰی بِھِمُ الْغَیْثُ وَیُنْتَصَرُ بِھِمْ عَلَی الْاَعْدَاءِ وَیُصْرَفُ مِنْ اَھْلِ الشَّامِ بِھِمُ الْعَذَابُ۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ شام میں ابدال ہوں گے جن کی تعداد چالیس ہوگی جب ان میں ایک فوت ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا مقرر فرمادے گا۔ ان کے وسیلہ سے بارش ہوگی اور انہی کے طفیل دشمنوں پر فتح حاصل ہوگی۔ اور انہی کی برکت سے اہل شام سے عذاب دور کیا جائے گا۔ (مشکوۃ شریف)

پتہ چلا کہ انہیں مقبولان بارگاہ کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کے صدقے دشمنوں پر فتح حاصل کی جاتی ہے۔

مقام محبوبیت کی جھلک: حضرات! یہ اولیاء کرام اگرچہ بظاہر مفلوک الحال اور پیوند لگا لباس پہنتے ہیں لیکن اس سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ یہ محتاج و پریشان ہیں۔ نہیں یہ تو ان کی نیک نفسی اور سادگی ہے اتباع رسول کی جھلک اور سنت محبوب کی ادائیگی ہے۔ یہی وہ مقام خود سپردگی ہے جس کی وجہ سے وہ مقام محبوبیت کی بلندی پر جلوہ گر ہوئے سچائی یہ ہے کہ فی الواقع ان کی ٹھوکر میں ساری کائنات ہے اور ان کے قدموں میں سارا زمانہ سربہ خم ہے۔ حدیث شریف میں آیا:

رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے ہیں لوگ انہیں اپنے گھروں سے لوٹا دیتے ہیں، مگر ان کی رفعت شان کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اگر وہ قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بات ضرور پوری

فرمادیتا ہے۔

آنکھ والا تیری جو بن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

کسی فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے دارد

صاحب ولایت پردہ فرمانے کے بعد

کون کہتا ہے کہ مومن مرگیا؟
قید سے چھوٹا وہ اپنے گھر گیا
مرکے ٹوٹا ہے کہیں سلسلہ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

برادران ملت اسلامیہ! اس پرفتن دور میں عجیب عجیب قسم کی باتیں سننے کومل رہی ہیں۔طرح طرح کے نظریات وخیالات کی تشہیر کی جارہی ہیں۔فکر وشعور کی تابانی نے باطل مزعومات کا طلسم پاش پاش کردیا۔مگر اندھی عقیدت کا عفریت آج بھی اپنی فاسد تاویلات کا سہارا لے کر دندناتا پھر رہا ہے۔جس کی وجہ کچھ لوگ یہ کہتے پھررہے ہیں کہ معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرکرمٹی میں مل گئے۔اولیائے کرام کے مزارات مقدسہ پر حاضر ہونا بے سود ہے۔ان کی بارگاہ میں کسی طرح کا عریضہ پیش کرنا کفر ہے۔ان سے مدد کی درخواست کرنا شرک ہے۔انہیں بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بنانا اسلام کے منافی ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

حضرات! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے جو روح اور جسم کے فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ روح کا جسم سے رشتہ ٹوٹتے ہی جسم کے ساتھ روح بھی فنا ہوجاتی ہے۔حالانکہ یہ مفروضہ سراسر غلط اور باطل ہے۔کیونکہ عام لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ جب ان کے جسم سے

روح نکل جاتی ہے تو وہ اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے اپنی جگہ پہنچ جاتی ہے اور جسم گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے۔

یہاں پر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جسم گل جاتا ہے مگر روح باقی رہتی ہے اور اسی روح پر ثواب وعذاب کا عمل ہوتا رہتا ہے۔ مگر اولیاء اللہ کا حال تو یہ ہے کہ ان کی روح کے ساتھ ساتھ ان کا جسم بھی حوادث زمانہ سے محفوظ اور گردش ایام سے مامون رہتا ہے۔ جب تک وہ زمین کے اوپر ہوتے ہیں۔ فیوض و برکات کے جواہر لٹاتے رہتے ہیں اور جب اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں تب بھی خالی دامنوں کو گوہر مراد سے بھرتے نظر آتے ہیں۔ اسی لیے تو شاعر نے کہا ہے۔

کون کہتا ہے کہ مومن مر گیا
قید سے چھوٹا وہ اپنے گھر گیا

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وصال کے بعد ظاہری زندگی سے زیادہ امداد فرماتے ہیں کیونکہ اب وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے۔

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلہ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

حضرت عائشہ صدیقہ کا عقیدہ: صحابہ کرام اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے وہ حدیث پاک بہت واضح ہے جو مشکوۃ شریف "باب فضائل عمر رضی اللہ عنہ" میں موجود ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ معمول تھا کہ وہ برابر روضہ انور پر حاضر ہوتیں اور کافی دیر تک روضہ شریف کے پاس قرآن مقدس کی تلاوت اور تسبیح و تہلیل فرمایا کرتی تھیں۔

حتیٰ کہ جب یار غار مصطفیٰ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہلوئے محبوب میں سپرد خاک کیا گیا تب بھی آپ کے معمول میں فرق نہ آیا۔ مگر کچھ سالوں بعد جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اسی حجرہ میں دفن کیا گیا تب سے ام المومنین نے اس حجرہ میں جانا کیوں بند کر دیا۔ واقف حال صحابہ کرام نے دریافت کیا ام المومنین! آپ نے اس حجرہ میں جانا کیوں بند کر دیا؟ یہ سوال سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ میں اس حجرہ میں حاضر ہوتی تھی۔ جب تک صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اس میں موجود تھی۔ نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم میرے رفیق سفر اور شریک حیات ہیں اور عورت کے لیے اپنے شوہر سے پردہ نہیں۔ اس لیے اس حجرہ میں آ کر میں ذکر واذکار اور تسبیح وقرآن پڑھا کرتی تھی۔ پھر آپ کے بعد امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس میں رکھے گئے۔ آپ میرے والد محترم ہیں اور باپ اور بیٹی میں شرعی پردہ نہیں اس وقت تک میرے لیے یہاں آنا جانا درست تھا اس لیے میں اپنے معمول پر قائم رہی۔ مگر جب سے اس حجرہ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تدفین عمل میں لائی گئی میں نے روضۂ مبارکہ کے اندر حاضر ہونا ترک کر دیا۔ کیونکہ میرے اور حضرت عمر کے درمیان شرعی پردہ کا حکم ہے اس لیے اب مجھے اس حجرہ میں جانے سے حیا معلوم ہوتی ہے۔

حضرات! اب آپ خود غور کریں کہ حیا کس سے آتی ہے؟ اور شرم کس سے محسوس ہوتی ہے؟ یقیناً آپ کا جواب اصحاب شعور اور دیکھنے والے کے بارے میں ہوگا۔ گویا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے کردار وعمل سے یہ ذہن دے رہی ہیں کہ نبی کونین محسن دارین حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سرائے فانی سے رحلت فرمانے کے بعد بھی زندہ ہیں۔ آپ کا کوچ فرمانا صرف اور صرف امر ربی کی تعمیل ہے۔ بقول امام اہل سنت مجدد ملت۔

انبیا کو بھی اجل آنی ہے
ہاں مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

پھر اسی آن بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

حضرت ام المومنین اپنے قول وفعل سے یقین دلا رہی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کو ننگا ہوں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی لوگوں کی نقل وحرکت ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

حضرات! اب مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش ہے اور فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ درست ہے یا تیرہ سو سال بعد ہندوستان کی کوکھ سے جنمے ان ملاؤں کا جو ایمان وعقیدہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو ان گنت گروہوں میں بانٹنے کا ناپاک کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔

ہم نہ دیں گے کبھی قاتل کو مسیحا کا لقب
ساری دنیا بھی اگر سر پہ اٹھالی جائے

معزز سامعین کرام! بہت ممکن ہے کہ کوئی شاطر انسان صحابیت کی بنیاد پر مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرے کہ یہ تو صحابی رسول ہیں اس لیے ان کے اندر تو یہ طاقت پائی جاسکتی ہے مگر دوسروں کے یہاں یہ بات ممکن نہیں۔ تو ایسے لوگوں کا منھ توڑ جواب دینے کے لیے آیئے خالص اولیاء کرام کی حیات طیبہ ملاحظہ کیجئے اور ان کی قوت سماعت اور جلوۂ فریادرسی کا نظارہ کیجئے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اپنے دادا پیر حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے مزار اقدس پہ حاضر ہوتے تو آپ کا معمول یہ ہوتا تھا کہ آپ آستانہ شریف کو بوسہ دیتے اور دور ہی سے فاتحہ وغیرہ پڑھ کر واپس آجاتے خاص مرقد پہ حاضر نہ ہوتے اور فرماتے جب ہم سرتاپا آلودہ ہیں تو اس پاک مرقد پر کیسے حاضر ہوں، ایک روز آپ حاضر ہوئے حسب عادت فاتحہ خوانی کر کے واپس لوٹنے لگے معا دل میں خیال آیا خدا معلوم حضرت خواجہ کو میرے آنے کا علم ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ دل میں اتنا خیال آتا تھا کہ فوراً مزار مبارک سے آواز آئی۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن من
آیم بجاں گر تو آئی بتن
درودم فرستی فرستم درود بیائی
بیایم زگنبد فرود

اے نظام الدین! مجھے تم اپنی ہی طرح زندہ خیال کرو اگر تم تن خاکی لے کر آؤ تو میں پوری روحانیت کے ساتھ حاضر ہو جاؤں، تم نے مجھے دعائے رحمت سے یاد کیا میں نے تمہارے لیے دعا مغفرت کی اگر تم قریب آجاؤ تو میں ابھی گنبد سے باہر آجاؤں۔ (سبع سنابل شریف)

اللہ اللہ اس سے بڑھ کر حیات اولیا کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر آیئے اطمینان قلب کے لیے اور دلائل ملاحظہ کیجئے۔

حضرت فتح موصل ایک روز اپنے احباب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے۔ اسی درمیان ایک نیک خصلت نوجوان حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ جناب! کیا مسافروں کا بھی کوئی حق ہوتا ہے یا نہیں؟ حضرت موصلی نے فرمایا ہاں ہوتا ہے، تب اس نوجوان نے کہا میں ایک مسافر ہوں اور فلاں محلے کے فلاں مکان میں رہتا ہوں۔ کل میرا انتقال ہو جائے گا۔ کل آپ میرے مکان میں پہنچ کر اپنے ہاتھوں سے غسل دیجئے اور میرے انہیں کپڑوں کا کفن بنا کر مجھے دفن کر دیجئے۔ حضرت موصلی نے وعدہ کرلیا۔ وہ نوجوان چلا گیا۔ دوسرے دن حضرت موصلی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچے مکان کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ واقعی اس نوجوان کی روح پرواز کر چکی ہے۔ آپ نے حسب وعدہ اسے غسل دیا اور بتائے ہوئے کپڑوں ہی میں اسے کفنا دیا۔ حضرت موصلی غسل وکفن سے جب فارغ ہوئے تو اس نوجوان نے اپنا ہاتھ نکالا اور حضرت موصلی کا دامن پکڑ کر کہا۔

جزاک اللہ! اے فتح موصلی اگر رب تعالیٰ کے حضور مجھے کچھ مرتبہ ملا تو میں ضرور اس خدمت کا صلہ عطا کروں گا۔ یہ کہہ کر نوجوان خاموش ہو گیا۔ (تذکرۃ الاولیا ص ۳۳۹)

حضرت احمد بن منصور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میرے استاد حضرت ابو یعقوب موسیٰ علیہ الرحمہ نے مجھے بتایا کہ میرے ایک مرید کا انتقال ہو گیا اسے میں نے غسل دیا۔ جب میں اسے غسل دے رہا تھا تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ حالانکہ وہ تخت پر مردہ پڑا تھا۔ اور میں اسے نہلا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا بیٹا! میرا انگوٹھا چھوڑ دو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مرے نہیں ہو۔ بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف چلے گئے ہو، تم زندہ ہی ہو میرا انگوٹھا چھوڑ دو۔ یہ سن کر اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔ (روض الفائق ص ۷۱)

کون کہتا ہے کہ مومن مر گیا
قید سے چھوٹا وہ اپنے گھر گیا

ایک شخص کی قبر کھودی جا رہی تھی کہ اسی کے ساتھ ایک دوسری قبر ظاہر ہوئی جس کی لحد سے ایک اینٹ گر گئی لوگوں نے دیکھا کہ اس قبر میں ایک نورانی شکل کے بزرگ سفید لباس پہنے جلوہ گر ہیں ان کی گود میں سنہرے حروف سے لکھا ہوا ایک سنہرا کلام پاک ہے جسے وہ پڑھ رہے ہیں اینٹ گرتے ہی انہوں نے سر اٹھا کر سوال کیا کیا قیامت قائم ہو گئی لوگوں نے کہا نہیں تو انہوں نے کہا نہیں تو انہوں نے کہا پھر اینٹ اسی جگہ لگا دو۔ (شرح الصدور ص ۸۰)

اولیا کرام کی حیات بعد وفات کے بے شمار واقعات ہیں چند واقعات میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کیے جن سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ کے بندے لوگوں کی نگاہوں سے پردہ فرمانے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اور لَئِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهٗ کے پیش نظر رب کی بارگاہ سے لے کر اپنے در پر آنے والوں کو نوازتے رہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان بزرگوں کی عزت وعظمت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کی حیات کو مشعل راہ بنانے کا جذبہ عطا فرمائے، ان کے فرمودات پر عمل کا حوصلہ عطا فرمائے، دنیا میں ان کی نظر عنایت اور آخرت میں ان کا سایہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنِ

اسلام اور یگانگت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا اِلٰی سَوَاءِ الطَّرِیْقِ وَجَعَلَ لَنَا التَّوْفِیْقَ خَیْرَرَفِیْقٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْخَلْقِ بِالتَّحْقِیْقِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا (پ۴: آل عمران، آیت:۱۰۳)

محترم بزرگو اور نوجوان ساتھیو! آیئے سب سے پہلے اپنی غلامی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیۂ درود وسلام پیش کریں اور صمیم قلب سے پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَسِرُّ الْاَسْرَارِ وَسَیِّدِ الْاَبْرَارِ

اٹھائے گا کہاں تک جوتیاں سرمایہ داری کی
جو غیرت ہو تو بنیادیں ہلادے شہر یاری کی
نہ ہو مغرور اگر مائل بہ نرمی بھی ہو سلطانی
کہ یہ بھی ایک صورت ہے تمہیں بزدل بنانے کی
گئے وہ دن کہ تو زنداں میں جب آنسو بہاتا تھا
ضرورت ہے قفس پر اب تجھے بجلی گرانے کی

● ● ●

حوصلہ پست ہے کیوں غم جواں پیدا کر
اٹھ زمانے میں قیامت کا سماں پیدا کر
چیر دے سینہ گردوں میں فغاں پیدا کر
شعلہ غم سے کوئی برق تپاں پیدا کر

خوگر تیرہ شبی صبح ازل پیدا کر
جوش دل جوش اثر جوش عمل پیدا کر

❁ ❁ ❁

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شغر
منفعت ایک ہے اس قوم کے نقصاں بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
کون ہے تارک آئین رسول مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار
ہوگئی کس کی نگہ طرز سلف سے بے زار
قلب میں سوز نہیں روح میں احسا نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں!

محترم حضرات! اس وقت میں آپ لوگوں کے سامنے کسی وسیع وعریض پلاٹ پر پھیلی ہوئی تقریر کا ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ آج موقع غنیمت سمجھ کر آپ حضرات کے سامنے اپنے دل کے ان مچلتے ہوئے جذبات کو رکھنے کی خواہش رکھتا ہوں جنہیں ایک طویل مدت سے میں نے دل کے نہاں خانوں میں چھپا رکھا ہے کیونکہ آج گردوپیش کے حالات پر جب نگاہ پڑتی ہے تو روح کانپ اٹھتی ہے اور دل بے قرار ہوجاتا ہے بالآخر آج ان داغہائے دل کو دکھانے ہی کا عزم کر چکا ہوں۔ دکھانا

صرف اس لیے چاہتا ہوں تاکہ آپ کو اپنے درود وغم اور اضطراب اضمحلال میں شریک کرسکوں۔ مجھے امید ہے کہ میرے اس جسارت آمیز خطاب پر نہ جا کر میری روداد درد یا داستان غم کو ہوش وگوش سے سنیں گے ساتھ ہی حتی المقدور اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی۔

وہ داستاں جو امانت ہے دل کے داغوں کی
کہوں تو چاند ستاروں کو نیند آجائے

برادران اسلام! میں نہایت ہی پرخلوص انداز میں آپ جیسے علم دوست اور نوجوانان ملت کے حساس ضمیر کو تھوڑی دیر مخاطب کرنا چاہتا ہوں اور ان خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو اگر اٹھ کر اپنی راہ پر لگ جائیں تو بڑے سے بڑے معرکہ کو چشم زدن میں سر کرسکتی ہیں اور بڑی سے بڑی طاقت وقوت کو اپنے سامنے گھٹنا ٹیکنے پر مجبور کرسکتی ہیں جس کے سامنے نہ تو پہاڑوں کی چٹانیں حائل ہوسکتی ہیں اور نہ دریاؤں کی امواج رواں ہر مشکل اس کے سامنے ہیچ اور ہر رکاوٹ ایک سراب ہے۔

برادران اسلام وعزیزان ملت اسلامیہ: ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی سے لے کر آج تک جب بھی ماضی پر نظر جاتی ہے اور تاریخ کے ان بکھرے ہوئے صفحات کا مطالعاتی جائزہ لیا جاتا ہے تو ہمیں اس سیکولر اور آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی پوری تاریخ دردوغم اور سوز والم کا مرقع، مجبوری وبے بسی کی تصویر، سفاکی ودرندگی کا شکار، مسائل ومصائب کے بوجھ سے کچلی ہوئی اور دردوکرب میں ڈوبی ہوئی داستان بن کر سامنے آتی ہے۔

آزادی کے بعد ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہندوستان میں بولی اور سمجھی جانے والی اردو، انقلاب زندہ باد کا نعرہ عطا کرنے والی میٹھی وشیریں زبان جو ہر ہندوستانی کی دلچسپ زبان تھی اور جس میں خاص طور سے مسلمانوں کا دینی ومذہبی علمی وادبی اور ملی وسماجی سرمایہ محفوظ تھا غیر ملکی وبدیشی زبان کہہ کر دیش سے نکالنے کا

آرڈیننس آرڈر دے دیا گیا، اس وقت مسلمانوں کی تہذیب وتمدن پر ایک نہایت ہی مہلک ضرب لگائی گئی۔ اس پر مزید ستم یہ کہ اس سیکولر ہندوستان میں مسلمانوں کے دینی ومذہبی اداروں کے لیے آج بھی مسلسل ایسے قوانین کی سازشیں رچی جارہی ہیں اور ایسے ایسے حربے استعمال کیے جارہے ہیں جن سے انسانیت وشرافت کے چشمے خشک ہوجائیں اور مسلمانوں کی تہذیب وتمدن گمنامیوں کے سمندر میں غرق ہوجائے۔ ابھی اس زخم پر مرہم بھی نہ رکھ پائے تھے کہ اچانک ایک اور حکم نامہ نظروں سے گذرا جس کی تباہ کاری نے مسلمانوں کو مفلوج واپاہج بنادیا۔ اس خون کی روشنائی سے لکھے ہوئے حکم نامہ میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ختم کردینے کی نہایت سختی سے ہدایت کی گئی تھی۔ اس کو نافذ کرکے مسلمانوں پر ایک اور کاری وار کیا گیا نتیجتاً سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد گھٹتی چلی گئی جس کی مثال پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس بھیانک حملہ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان معاشی واقتصادی بدحالی کے شکار ہوگئے۔ عزم وہمت جواب دینے لگی۔ صبر واستقلال کا دامن چھوٹنے لگا۔ ہندوستان کا وسیع وعریض رقبہ مسلمانوں کے لیے تنگ ہوگیا مگر ایسے مہیب اور پرآشوب دور میں بھی خدا کی نصرت وحمایت سے خود کو اچھا بنانے والے ہندوستانی مسلمان نے اپنے کو ایک باوقار ہندوستانی ثابت کرنے کے لیے نئے امنگ وحوصلے اور نئے جوش وولولے کے ساتھ ملک کی ترقی وخوش حالی کے لیے نئی جدوجہد شروع کردی، اور کسب معاش کے لیے اپنے بازوؤں پر بھروسہ کرکے صنعت وحرفت اور تجارت وزراعت کو اپنا پیشہ بنا کر اپنے کام کا آغاز کردیا مگر ہم ابھی اپنے خون وپسینہ سے کمائی ہوئی دولت کی دنیا میں قدم بھی نہ رکھنے پائے تھے کہ فرقہ وارانہ فسادات کے نام سے عصبیت وتنگ نظری کی قربان گاہ پر مسلمانوں کو بھینٹ چڑھانے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردیا گیا۔

کیا اسی لیے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگادے

ہماری تہذیب وتمدن پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ ہماری زبان چھیننے کی ناپاک کوششیں کی گئیں۔ ہمارے گھروں سے دھواں اٹھا شعلے بھڑکے مگر ہمارے جذبات میں کوئی حرارت نہ پیدا ہوئی بس صرف ایک تماشائی کی طرح اپنی تباہی وبربادی کا تماشہ دیکھتے رہے، ہم نے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں دیکھیں قیدخانوں کی تنگ وتاریک کوٹھریاں دیکھیں۔ مقتل دیکھے مقتول دیکھے پھر بھی زبان بند رہی ان تمام مصائب وآلام اور جبر واستبداد کے باوجود بھی مادر وطن اور سرزمین ہند پر خون کی ہولی کھیلنا ہمارے لیے گوارہ نہ تھا ہم کسی بھی صورت سے جمہوریت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگنے کے درپے نہ تھے کیونکہ:

ہر پھول ہمارا ہے ہر خار ہمارا ہے
ہم نے بھی لہو دے کر گلشن کو سنوارا ہے
سو ظلم کیے تم نے اک آہ نہ کی ہم نے
وہ ظرف تمہارا ہے یہ ظرف ہمارا ہے

مگر اب اے محترم بزرگو اور عزیز نوجوانو!

آمریت وفسطائیت کا مکروہ ومذموم طوفان تنگ نظری وعصبیت کا ناپاک ونامراد سیلاب ہمارے دین ومذہب اور ایمان واعتقاد کی مضبوط بنیادوں سے ٹکرا رہا ہے۔ اب اگر ایک طرف قرآن کی عظمت وتقدس پر انگلیاں اٹھانے کی گستاخانہ وشرارت پسندانہ جرأت وجسارت کی جارہی ہے تو دوسری طرف اسلامی قانون شریعت (مسلم پرسنل لا) کو بدلنے کی ناپاک سازشیں رچی جارہی ہیں۔ اس لیے غیور وخوددار اسلاف کے غیرت مند بیٹو! نکلو قرآن کی عظمت تمھیں آواز دے رہی ہے۔ اے شمع رسالت کے پروانو تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پکار رہی ہے کہ:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اگر تم نے ان صداؤں کی بازگشت نہ سنی اور تاریخ کے اس نازک موڑ پر اپنی

ذمہ داریوں کا احساس نہ کیا تو یاد رکھو اور جان لو کہ بعض زمانہ بھی رکتی نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت کا تیز رو قافلہ گزر جائے اور غبار راہ سے تمہارے چہروں کے نقوش دھندلا جائیں اور تمہارا امتیازی تشخص ابدالآباد تک کے لیے نیست و نابود ہو جائے۔ اس لیے اس مہیب اور پرفتن دور میں تم یہ پختہ عہد کر لو کہ ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن شریعت اسلامی اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے۔

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکے گا نبی کا جاہ وجلال دیں گے

یہ ہماری کتنی بڑی حرماں نصیبی اور قوم وملت کا کتنا زبردست المیہ ہے کہ ہم اپنے مقام ومرتبہ اور اپنی صلاحیتوں سے ناآشنا ہیں اور آج ہم اس عالم رنگ وبو میں کچھ اس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں گویا ہمیں تہذیب وتمدن کی ہوا بھی نہ لگی ہو، اور ہمیں قطعاً یہ احساس نہیں ہو پاتا ہے کہ آخر ہم ہیں کس لیے؟ حالانکہ ہم ہی سے گلشن ہستی کی زیبائی ہے اور ہم ہی سے رنگ محفل ہے، بزم عالم کی زیب وزینت اور اس انجمن کی رونق ہمارے ہی دم قدم پر ہے۔ چمن آدمیت میں بہار، گلشن انسانیت کی نکھار، پھولوں کی مسکراہٹ کلیوں کی چٹک، بھنورے کا ترنم، سمندر کا سکوت، سورج کی ضیاء باری، نیر تاباں کی تابانی، آسمان کا نیلگوں شامیانہ، زمین کا مخملی فرش، پہاڑوں کے روح پرور مناظر، دریاؤں کی روانی، ستاروں کی انجمن، چاند کی چاندنی اور کہکشاں کا جمال ہمارے ہی لیے تو ہے اور ہم تو وہ زندہ قوم تھے جس کی حکمرانی وکشور کشائی اور شجاعت وبہادری سے شرق وغرب لرز اٹھتا تھا اور آج بھی دنیا کو یقین ہے کہ قوم مسلم کے اندر ایک ایسا شرارہ موجود ہے جو اگر بھڑک اٹھے تو کفر وطغیان اور تمرد وعصیان کے تمام طلسمی کارخانوں کو چشم زدن میں جلا کر خاکستر کر سکتا ہے۔

آخر وہ قوت ہے کونسی؟ وہ قوت ہے خدا اور رسول پر ایمان کامل اعتقاد کی قوت خدا اعتمادی وخود اعتمادی کی قوت، علم وعمل کی فراوانی، باہمی اتحاد ویک جہتی کی قوت،

برادرانہ محبت ومروت اور حسن اخلاق کی قوت، بیدار مغزی ودیدہ وری کی قوت۔ یہ نعمتوں میں جب مسلمانوں کے اندر ایمان ویقین کی یہ دولت عام تھی تو جنرل طارق بن زیادہ جیسے غیور مرد مجاہد نے اسپین کے ساحل پر کشتیوں میں آگ لگادی تھی اور جب مجاہدین نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو اس جانباز نے ہنستے ہوئے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

خندید ودست برلب شمشیر بردوگفت
ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدا ماست

یہ سب اتفاق واتحاد کی کرشمہ سازی تھی مگر ہائے افسوس آج وہ عظمت رفتہ گم ہوچکی ہے اور سرچشمۂ قوت ختم ہوچلا ہے۔

اتحاد کی عظمت قرآن میں: آپسی اتحاد واتفاق پر روشنی ڈالتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (پ۲۶،ع۱۳)

مسلمان مسلمان بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کرو اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحمت ہو۔ (کنزالایمان)

اتحاد احادیث کی روشنی میں: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وفاداروں کو اتحاد واتفاق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا درس دیا ہے۔ آپ نے متعدد مقامات پر مختلف انداز میں اس کی اہمیت وفضیلت لوگوں کے دل ودماغ میں بیٹھانے کی کوشش کی ہے۔ چند ارشاد گرامی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضاً۔

مومن آپس میں کسی عمارت کی بنیاد کی طرح ہیں کہ ان میں سے ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا حق سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپس میں محبت کرتے تھے آج میں ان کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دوں گا اور آج میرے سایہ کرم کے سوا اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اگرچہ نبی اور شہید نہیں ہیں لیکن قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں ان کے مراتب ودرجات کو دیکھ کر انبیاء وشہیدا رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضور نے فرمایا وہ، وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے درمیان نہ تو قرابت داری ہے اور نہ مالی لین دین ہے۔ بیشک ان کے چہرے نورانی ہوں گے، نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جب تک اس کے ہمسایہ اس کی برائیوں سے مامون ومحفوظ نہ ہوں۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہوں۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی روزی میں برکت اور اس کی موت میں تاخیر کی جائے اسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں سے بہتر سلوک کرے۔ (مسلم)

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں میں پہلی امتوں کا مرض اور بغض پھیل گیا ہے وار یہ مرض مونڈ ڈالتا ہے یہ نہیں کہ بال مونڈتا ہے بلکہ دین کو مونڈ ڈالتا

ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو گے میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ جس سے تم آپس میں محبت کرنے لگو گے اور وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کا عام رواج پیدا کرو۔ (ترمذی)

آپ نے فرمایا:

لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِـالْجَمَاعَةِ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ.

جماعت سے الگ ہو کر کوئی شخص اپنے اسلام کو بچا نہیں سکتا۔ مسلمانو! تم پر اجتماعی زندگی بسر کرنا ضروری ہے جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

اتحاد وایثار کی علمی تفسیر: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات نے اتحاد واتفاق، اخلاق ومروت، اخوت وہمدردی اور ایثار وقربانی کی وہ بے مثال شہادتیں پیش کی ہیں جو رہتی دنیا تک آفتاب نصف النہار کی طرح روشن وتابندہ رہیں گی۔ مثلاً نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار اصحاب جب مکۃ المکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ شریف رہائش پذیر ہوئے تو یہ حضرات بظاہر بے سروسامان تھے۔ نہ ان کے پاس دولت وثروت تھی اور نہ ہی زر وجواہرات نہ تو ان کے پاس رہنے کے لیے مکانات تھے اور نہ ذریعہ معاش کے لیے کھیت وباغات بڑی ہی عسرت وتنگ دستی کا زمانہ تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مہاجرین کی یہ حالت دیکھی نہ گئی بالآخر آپ نے تمام انصار ومہاجرین کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور ان کے سامنے اتحاد واتفاق اور ایثار وہمدردی کا وعظ فرما کر انصار ومہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا۔ اس عقد مواخاۃ کے موقع پر حضرت ابوبکر کے دینی بھائی حضرت خارجہ بن زبیر انصاری بنے۔ حضرت عمر فاروق کے دینی بھائی حضرت عتبان بن مالک انصاری ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے بھائی حضرت سعد بن معاذ انصاری، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سعد بن الربیع

انصاری، حضرت زبیر بن العوام کے سلامہ بن سلامہ۔ حضرت عثمان بن عفان کے دینی بھائی حضرت ثابت بن المنذر انصاری قرار دیے گئے۔ اس عہد مواخاۃ کو انصار مدینہ نے اس خلوص ومحبت کے ساتھ ادا کیا کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس عمل کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ تمام مہاجرین کو انصار نے بالکل اپنا حقیقی بھائی خیال کیا اور بلا چوں وچرا اپنا تمام مال واسباب دو حصوں میں تقسیم کر کے ان کے سپرد کر دیا۔ بعض حضرات نے تو اپنے مہاجر بھائی کی اس طرح دلداری کی کہ اگر ان کے پاس دو بیویاں تھیں تو ان میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی سے اس کا نکاح کر دیا۔ (تاریخ اسلام اول)

ہے دنیا کی کوئی قوم جو انصار مدینہ کے اس جرأت وجذبہ کی مثال پیش کر سکے؟ اسلامی تاریخ میں اگر ایثار وقربانی کے واقعات ملاحظہ کرنے ہیں تو تاریخ کا یہ روشن صفحہ ملاحظہ فرمائیے اور اپنے اسلاف کے اتحاد واتفاق اور اخوت ومروت کا اندازہ لگائیے۔

حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک کے موقع پر جب معرکہ آرائی کا زور تھا تو میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ بھی اسی معرکہ حق وباطل میں ہمارے شریک تھا اور شوق وشہادت سے سرمست۔ پانی کا ایک مشکیزہ میں نے اپنے ساتھ لے لیا کہ ممکن ہے کہیں اگر وہ پیاسے ہوں تو پانی پلا کر ان کا کلیجہ ٹھنڈا کر سکوں۔ تلاش وجستجو کے بعد بالآخر میری نگاہ ان پر پڑی قریب جا کر دیکھا تو وہ نزع کے عالم میں آخری سانس لے رہے تھے، شدت پیاس سے ہونٹوں پر پپڑیاں پڑ چکی تھیں۔ میں نے مشکیزہ دکھا کر پانی کا اشارہ کیا انہوں نے سر ہلا کر پانی کی طلب ظاہر کی ابھی میں پانی منہ کے قریب ہی لے جا رہا تھا کہ کسی کے کراہنے کی آواز کانوں سے ٹکرائی میرے جاں بلب بھائی نے اس طرف جانے کا اشارہ کیا میں ان کی پرورد کراہ پر ان کی طرف لپکا تو میں نے دیکھا کہ وہ ہشام بن ابی العاص ہیں جیسے ان سے مخاطب ہونے کا ارادہ کیا کہ ان کے قریب ہی ایک تیسرے شخص جاں کنی کے عالم میں نظر آئے انہوں نے میری طرف دیکھ کر ایک

آہ کھینچی، ہشام نے اپنے پڑوسی کی جگر خراش آواز سن کر مجھے اس طرف جانے کا اشارہ کیا میں ان کے پاس پانی کا مشکیزہ لے کر پہنچا اتنے میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی میں فوراً ہشام کی طرف پلٹا مگر وہ بھی راہی ملک عدم ہو چکے تھے میں ان سے جدا ہو کر تیزی سے اپنے بھائی کی طرف لوٹا مگر اس وقت تک تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (درایہ)

جذبہ عقیدت ومحبت اور اتحاد واتفاق کی یہ وہ بے مثال طاقتیں تھیں جنہیں اپنا کر عرب کی یہ جاہل قوم ساری دنیا کی رہبر ورہنما اور ہادی وپیشوا بن گئی۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اختلاف موت ہے اور اتحاد زندگی

چند تنکوں کی سلیقے سے اگر ترتیب ہو
بجلیوں کو بھی طواف آشیاں کرنا پڑے
ایک ہو جائیں تو ہم بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے ذروں سے کیا کام بنے

مگر قوم مسلم کا المیہ یہ ہے کہ جن کے اسلاف اپنے کارناموں سے اتحاد واتفاق اور ایثار وقربانی کے انمٹ نقوش دنیا والوں کے لیے چھوڑ گئے آج ان کے پیروکار ہر محاذ پر اختلاف وانتشار کے شکار نظر آ رہے ہیں۔ جدھر نگاہ اٹھا کر دیکھئے اختلاف ہی اختلاف نظر آتا ہے۔ ملک میں اختلاف، صوبہ میں اختلاف، شہر میں اختلاف، محلہ میں اختلاف، نسلی اختلاف، ملکی اختلاف، صوبائی اختلاف، علاقائی اختلاف، لسانی اختلاف، تہذیبی اختلاف، معاشرتی اختلاف، تمدنی اختلاف، سماجی اختلاف، ثقافتی اختلاف، عقائد میں اختلاف، نظریات میں اختلاف، افکار میں اختلاف، خیالات میں اختلاف، مساجد میں اختلاف، مدارس میں اختلاف، خانقاہوں میں اختلاف، عبادت گاہوں میں اختلاف، آپسی رشتہ داروں میں اختلاف، پڑوسی پڑوسی میں

اختلاف حتی کہ بھائی بھائی اور باپ بیٹے میں اختلاف۔ ہائے افسوس اس اختلاف وانتشار اور آپسی رسہ کشی نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ بلاشبہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہماری عظمتوں کے ترانے آسمان کی رفعتوں اور کہکشاں کی بلندیوں میں گونجا کرتے تھے اور آج عالم یہ ہے کہ ہماری ذلت وخواری کے چرچے تحت الثری کی پستیوں میں ہو رہے ہیں۔

یقیناً اتحاد واتفاق میں بڑی قوت ہے جب لوگوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے تو خوشی اور مسرت کے نغمے الاپے جاتے ہیں۔ ویرانیاں آبادیوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ بنجر علاقہ لالہ زار ہوجاتا ہے۔ زندگی رعنائیاں اور سرمستیاں بکھیرتی ہیں اور قہقہوں کے آبشار پژمردہ دلوں کو زندگی کی حرارت سے سرشار کرتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت!

آموختہ: آج پھر ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد کرکے اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنا ہے ہمیں اپنے ماضی کو سامنے رکھ کر حال کی تعمیر کرنی ہے اور مستقبل کے لیے اطمینان بخش لائحہ عمل تیار کرنا ہے۔ لہٰذا میں اذعان وایقان کی بلند وبالا چوٹی پر چڑھ کر خواب غفلت میں پڑے ہوئے اپنے ساتھیوں اور بزرگوں کو آواز دیتا ہوں۔

اٹھو پھر نوجوانوں انقلاب زندگی لے کر
چلو اپنے جلو میں اتحاد باہمی لے کر
زمانے کو عطا کردو مہ کامل کی تابانی
بڑھو ذوق عمل میں اک نئی تابندگی لے کر
بھلا کب تک زمانے سے ڈروگے منھ چھپاؤگے
گریبانوں میں کب تک دے کے سر آنسو بہاؤگے
یہ غیرت پوچھتی ہے، ہائے تم کب مسکراؤگے
حسینی شان سے اٹھو پیام سرخوشی لے کر

آج پوری دنیا، اپنے آپسی اور فروعی اختلاف تو درکنار یہودیت اور عیسائیت

شوشلزم اور کمیونزم اپنے مذہبی اور بنیادی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ کا عملی نمونہ پیش کررہے ہیں۔ ساری دنیا ایک مرکز پر اکٹھا ہوکر اپنی اپنی حکمت عملی تبدیل کررہی ہے مگر یہ قوم مسلم ہے جو احوال زمانہ سے بے خبر خود اپنی ہی جڑیں کاٹنے میں لگی ہے۔ نفرت وحقارت کی ایسی کھائی جمی کہ ہر کوئی دوسرے کو نیچا دکھانے میں اپنی پوری توانائی صرف کررہا ہے، خواہ اس کے لیے ملت کا جنازہ نکل جائے یا اپنی ہی عظمت داؤ پر لگ جائے۔

حضرات گرامی! یہ زندہ قوموں کی علامت نہیں، ہمارے موجودہ حالات مستقبل کی تباہی کے غماز ہیں، جس پر بند باندھنا ہمارے لیے نہایت ضروری ہے۔ ورنہ آنے والی نسل ہمیں معاف نہیں کرسکتی۔

لہٰذا رفتار زمانہ پر نظر رکھتے ہوئے ہمیں اپنی آپسی خصومت اور چپقلش کو خاکستر کرکے نئے عزم وحوصلہ، نئے جوش وولولہ اور نئی سوچ وفکر کے ساتھ زمام قیادت کو سنبھالنا ہے۔ امن وامان اور اتحاد واتفاق کی باد بہاری سے ساکنان عالم کے مشام جاں کو معطر کرنا ہے۔ رفتار زمانہ کی گردش کا رخ موڑ کر اسلامی سیاست وقیادت کا پرچم بلند کرنا ہے۔ ہم اپنے کردار وعمل سے اپنے اسلاف کی روشن وتابندہ تاریخ دہرا کر دنیا والوں کو محو حیرت کردیں۔ اور ان کی بساط سیاست سمیٹ کر اسلامی شان وشوکت کا پھریرا لہرادیں۔ حضرات یہ میرے جذبات کی فراوانی اور عقل خام کی روا روی نہیں یہ کوئی محال اور ناممکن بات نہیں۔ ماضی میں ایسا ہوچکا ہے اور مستقبل میں ہونے کی امید ہے۔ بس شرط اتنی ہے کہ ہم اپنے اندر انقلاب کی چنگاری شعلہ زن کرنے کی کوشش کریں اور اپنی نیتوں میں خلوص ودینداری پیدا کریں۔ یقیناً اگر آج بھی ہم خدا ورسول پر اعتماد کامل کرکے اپنا قدم آگے بڑھائیں تو ضرور توفیق الٰہی ہماری دستگیری کرے گی رحمتیں ہم پہ سایہ فگن ہوں گی اور کامرانیاں ہمارے قدم چومیں گی اور ہم ہر منزل سے کامیاب وبامراد گزرتے چلے جائیں گے، کیونکہ قرآن کریم آج بھی ہمیں پکار رہا ہے۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ

كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔ بس ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر صالح انقلاب اور اپنی بخت خفتہ کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔

آؤ پھر اک بار عزم زندگی بن جائیں ہم
پرچم علم وہنر ہر موڑ پہ لہرائیں ہم
پھر اٹھیں بن کر نقیب محفل امن واماں
پھر زمانے کے نئے ذہنوں پہ چھا جائیں ہم
نکہت اخلاص بن کر پھیل جائیں دہر میں
پھر ہر اک قلب ونظر کی بزم کو مہکائیں ہم
تھک کے سو جائیں جہاں بھی کاروان زندگی
بے خطر دشواریوں میں پاسبان بن جائیں ہم
پھر بنیں انسانیت کے کارواں کے راہبر
پھر سلیقہ زندگی کا دہر کو سکھلائیں ہم

اسلامی اتحاد زندہ باد **امت مسلمہ پائندہ باد**

اسلام اور سیاست

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اَمَّا بَعْدُ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (پ۲، البقرہ آیت:۲۰۱)
اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے۔(کنزالایمان)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

قابل قدر بزرگو اور ساتھیو! اپنے منتخب عنوان پر گفتگو کرنے سے پہلے بہتر ومناسب ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم اور آپ مل کر محسن کونین سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پروقار میں صلوٰۃ وسلام کی ڈالیاں نچھاور کریں اور دل کی گہرائیوں سے باآواز بلند پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

تو اپنے آپ کو پہچان اپنا دام پیدا کر
زمانے بھر میں جس کی قدر ہو وہ نام پیدا کر
ہٹا دے اپنی ہمت سے یزیدی راہ کے پتھر
ہجوم کربلا میں قوت اسلام پیدا کر
شعاعیں بن کے سورج کی جہاں میں پھیل جا ہر سو
تو اپنی زندگی میں لذت انعام پیدا کر

ایک مرتبہ اور درود شریف پیش کریں تو دو اشعار اور نذر کروں۔

حکمت کا نشہ شعر کی انگڑائیاں ہیں ہم
غنچوں کے ترجمان گلوں کی زباں ہیں ہم
اک اک نفس میں بوئے وطن ہے بسی ہوئی
نبض وطن میں خون کی صورت رواں ہیں ہم

محترم حضرات! یہ ہماری خوش نصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ پروردگار عالم نے ہمیں اسلام جیسا مقدس مذہب عطا کیا ہے۔ ایسا مقدس و مہذب مذہب جسے رب کی بارگاہ سے پسندیدگی کی سند حاصل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامَ۔ (پ:۳، آل عمران، آیت:۱۹)

بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے ہمہ گیر دستور کی بنیاد پر دنیا کا سب سے عظیم اور بلند وبالا دین ہے۔ سب سے وسیع اور کشادہ مذہب ہے، سب سے آسان اور سرل دھرم ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے میں نہ کوئی زحمت ہے نہ پریشانی۔ نہ دکھ ہے، نہ تکلیف، ہر شخص کے لیے آسان ہر فرد کے لیے سہل، امیر کے لیے بھی سہولت، غریب کے لیے بھی سہولت، مردوں کے لیے بھی آسانی عورتوں کے لیے بھی آسانی، غرضیکہ ہر طبقہ اور ہر علاقہ کے لیے قابل عمل اور لائق تقلید ہے۔

اسلام اپنے ماننے والے کو فطری آزادی عطا کر کے اسے پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا پورا پورا موقع عنایت کرتا ہے۔ یہ اپنے ماننے والے کو دنیا میں بھی اوج کمال پر دیکھنے کا متمنی ہے اور آخرت میں بھی سرخرو اور بامراد دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ ابھی میں نے جس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے اس کا مفاد اور منشار بھی یہی ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (پ۲: البقر، آیت:۲۰۱)

اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے۔

پتہ چلا اسلام دنیا میں بھی بھلائی کی طرف مائل کرتا ہے اور آخرت کی بھلائی پر بھی آمادہ کرتا ہے۔اس سے یہ بات بھی بخوبی سمجھ میں آگئی کہ اسلام ترک دنیا اور عزلت نشینی کا نام نہیں، اسلام جنگل اور صحراؤں میں جا بسنے کا نام نہیں، اسلام قطع تعلقات کا نام نہیں بلکہ اسلام کونین کے خوش گوار تعلقات کا نام ہے۔دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی کا نام ہے۔دارین کی عزت وعظمت کا نام ہے۔ملکوں پر حکومت اور قوموں کی سربراہی کا نام ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: مگر ہائے افسوس آج اسلام کے ماننے والوں کی ذہنیت کتنی بدل چکی ہے۔ان کے سوچنے کا انداز کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے؟

اسلام کے شیدائیوں نے دنیا اور آخرت کو دو حصوں میں تقسیم کردیا، اور اپنے اپنے خیالات کے مطابق دونوں کے لیے الگ الگ راستے تجویز کیے گئے دونوں کے قائد ورہبر الگ الگ خانوں میں بانٹ دیے گئے۔دونوں کی ذمہ داریاں الگ الگ سمجھی جانے لگیں۔نتیجتاً دونوں جماعتوں میں اجنبیت کی دیوار کھڑی ہوگئی۔افکار ونظریات کی خلیج بڑھنے لگی۔انجام کار آج عموماً دونوں ایک دوسرے کے حریف اور مدمقابل نظر آرہے ہیں۔علمار کرام عوام کی سیاسی رہنمائی سے کنارہ کش ہوگئے اور اہل سیاست خوف سے قوم بے نیاز بادی کی علامت نہیں تو اور کیا سمجھا جائے گا؟ اس لیے محترم حضرات! آج کی یہ گفتگو ضروریات زمانہ کے اعتبار سے بہت ہی اہم ہے۔لہٰذا آپ اپنی بھرپور توجہ برقرار رکھیں اور آنے والی گفتگو سماعت کریں۔

دین اور سیاست کا مفہوم: سیاست کی پرپیچ گتھیوں اور دین کے صحیح مفہوم سے ناواقف ہونے کا نتیجہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے ان حالات پر قابو پانے کے لیے سب سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ دین اور سیاست کا مفہوم واضح کردیا جائے تاکہ دونوں کی دوریاں کم ہوں اور ایک دوسرے کے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملے۔

سامعین محترم! دین ایک اکائی کا نام ہے اور دنیا وآخرت اس کے دو حصے یا دو

اجزا ہیں۔ لفظ دین اپنے دونوں اجزا کو محیط اور شامل ہے۔ مذہبی تعلیم کا وہ حصہ جو جنت و دوزخ، ثواب و عقاب اور قبر و حشر سے متعلق ہے اسے آخرت کہا جاتا ہے اور دینی و مذہبی تعلیم کا وہ حصہ جو عدل و انصاف، دنیاوی زندگی باہمی تعلقات، خدمت خلق، نظم و ضبط، انتظام و انصرام اور اصول جہاں بانی و حکمرانی سے متعلق ہے اسے سیاست کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دین اور سیاست کا تعلق: اس وضاحتی گفتگو سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا کہ دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں بانٹنا۔ دونوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا، دونوں کے راستے اور منزل الگ الگ سمجھنا سخت نادانی اور غلطی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ جس طرح سے اخروی زندگی کی کامیابی و کامرانی انسانیت کی معراج ہے اسی طرح سے دنیاوی زندگی میں عزت و عظمت اور رفعت و شوکت کے مینارۂ بلند پر فائز ہونا بھی اہل اسلام کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دین اور سیاست کے درمیان کسی طرح کا کوئی اختلاف اور جھگڑا نہیں۔ دین سیاست سے الگ نہیں اور سیاست دین سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں۔ بقول ڈاکٹر اقبال

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مزید وضاحت: حضرات! میری یہ گفتگو اگر کسی ہوشمند کے لیے خلجان کا سبب بن رہی ہو تو اس کے ازالے کے لیے چند وضاحتیں پیش کرتا ہوں۔

اسلامی دستور کے اعتبار سے بندوں کے اوپر دو طرح کے حقوق عائد ہوتے ہیں، جنھیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حقوق اللہ کا مطلب ہوتا ہے وہ ذمہ داریاں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے بندوں پر عائد کی ہیں۔ ان کی ادائگی، بقدر استطاعت مثلاً نماز اور روزہ حج و زکوۃ کی ادائگی۔ ان کی ادائگی کے ذریعے بندہ رب تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرتا ہے اور حقوق العباد کا مطلب ہوتا ہے۔ ایک انسان کا دوسرے کی

ذمہ داریوں کو سمجھنا اور ان کی ادائیگی کی کوشش کرنا۔ مثلاً ماں باپ کے حقوق، شوہر بیوی کے حقوق، اہل وعیال کے حقوق، دوست واحباب کے حقوق اور رشتہ دار پڑوسی کے حقوق وغیرہ۔ گویا کہ وہ تعلق جو بندوں کا اللہ کے ساتھ ہے۔ اس کا نام دین ہے اور جو بندوں کا بندوں کے ساتھ ہے اس کا نام سیاست ہے ایسی صورت میں ہم واضح طور پر اس حقیقت کا اعتراف کر سکتے ہیں کہ دین اور سیاست میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سیاست کیا ہے؟ سیاست عبادت ہے، سیاست خدمت خلق کا ایک بہترین ذریعہ ہے، سیاست عوامی بھلائی کا ذریعہ ہے، سیاست تعمیر وترقی کی بنیاد ہے، سیاست نظم وضبط کی اساس ہے، سیاست فکری توانائی کی اعلیٰ دلیل ہے، سیاست عزت وعظمت کی شناخت ہے، سیاست رفعت وبلندی کی سیڑھی ہے، سیاست جہاں بانی وحکمرانی کی کلید ہے، سیاست اعلیٰ تہذیب وتمدن کی علامت ہے، سیاست عروج وارتقا کی پہچان ہے، سیاست سیادت وسرداری کا نشان ہے، سیاست شوکت وحشمت کی جان ہے، سیاست فتح وکامرانی کی شان ہے، سیاست وجہ محبت ہے، سیاست سبب عقیدت ہے، سیاست بنائے مودت ہے اور سیاست ایک حقیقت ہے۔

سیاست کا عصری تصور: مگر آج جب سیاست کی گفتگو کی جاتی ہے تو ماحول کچھ الگ ہی نظر آتا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ 'سیاست' کا لفظ سنتے ہی ذہن وفکر میں دجل وفریب، جھوٹ اور وعدہ خلافی، وحشت وبربریت، نفرت وحقارت، عیش پرستی ولذت کوشی رشوت خوری اور مفاد پرستی کی بھیانک تصویر ابھر جاتی ہے۔ اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام ایسی سیاست کی اجازت ہے یا اس کی طرف راغب کرتا ہے؟ کیا اسلام اس مکروہ سیاست کا پشت پناہ ہے جس کی ہزاروں مثالیں دنیا والوں کی نگاہوں کے سامنے ہیں؟

میرے بزرگو اور دوستو! میں سمجھتا ہوں کہ ہر سلیم الفطرت انصاف پسند انسان اس کا جواب نفی میں دے گا۔ خواہ وہ کسی فرقہ، کسی مذہب اور کسی دھرم کا ماننے والا ہو۔ خواہ وہ کسی علاقہ اور کسی خطے کا رہنے والا ہو۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ آج

اہل سیاست کا جو کردار ہے اسے قابل نفرت اور لائق مذمت ہی کہا جائے گا۔ مگر اس میں غلطی سیاست کی نہیں بلکہ اہل سیاست کی ہے۔ مثال کے طور پر کسی ماہر ڈاکٹر نے کسی مریض کو دوا دی اور اسے تاکید کردی کہ یہ دوا دن میں صرف دو بار لینی ہے مگر مریض گھر پر ڈاکٹر کی ہدایت کو بالائے طاق رکھ کر بجائے دو مرتبہ دوا کھانے کے دن میں چھ مرتبہ کھانے لگے ایسی صورت میں اگر دوا فائدہ پہنچانے کے بجائے مریض کو نقصان پہنچا رہی ہو تو اس میں قصور کس کا ہے آیا مریض کا یا ڈاکٹر کا؟ بلاشبہ ہر سمجھدار آدمی کا جواب یہی ہوگا کہ اس میں غلطی مریض کی ہے نہ دوا خراب ہے اور نہ ہی ڈاکٹر کا نسخہ غلط ہے۔ بلا تمثیل سیاست اپنی جگہ پر ایک بہت ہی اہم اور مفید چیز ہے مگر آج کے دور میں اس کے ہٹے کٹے مریضوں نے اسے بدنام کردیا ہے۔ اسے لائق نفرت اور قابل مذمت بنا دیا ہے۔

سیاست ماضی کے جھروکوں سے: دین حنیف اور مذہب اسلام کی قدیم وجدید تاریخ سیاست کے زریں ابواب سے روشن وتابناک ہے انبیاء کرام کی سیرت وسوانح کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کے ساتھ اپنی سیاسی زندگیاں بھی نہایت ہی پاکیزہ اور صاف ستھری بسر کی ہیں۔ مثلاً اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کیا تھا ساتھ ہی آپ مصر کے تخت شاہی پر بھی جلوہ فگن تھے وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ پورا ملک قحط اور بھوک مری کے گرداب بلاخیز میں پھنسنے والا تھا مگر آپ نے اپنی قوت فراست، فکری بصیرت اور سیاسی حکمت ودانائی سے ان حالات کا اس خوش اسلوبی سے مقابلہ کیا کہ دنیا آج بھی محو حیرت ہے۔ آپ نے صرف اپنے ملک کی رعایا ہی کو سیراب نہ کیا بلکہ اطراف وجوانب کی خلق خدا بھی فیضیاب ہوئی۔ آپ تخت شاہی کے مالک تھے مگر اور بادشاہوں کی طرح نہیں۔ آپ کے پاس امارت تھی مگر دیگر امیروں کی طرح نہیں۔ آپ سیاسی مدبر تھے مگر عام سیاستدانوں کی طرح نہیں۔ اللہ اللہ کس شان کی امارت وشہنشاہی تھی، کیسی حکومت

و بادشاہت تھی کیا انداز بے نیازی تھا کتنا خیال غربا پروری تھا؟ لیجئے ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے اور حضرت کی سیاسی عظمت کا اندازہ لگائیے۔

ملک مصر پہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کا آغاز ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی قحط سالی کا زمانہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ لوگوں میں اضطراب و بے چینی کی لہریں سر اٹھانے لگی ہیں۔ اہل دولت پریشان ہیں اور اہل ثروت کے دلوں میں ہیجان ان پریشان کن حالات میں مصر کے شہنشاہ کا چہرہ بھی پژمردہ ہے بلکہ ضعف ونقاہت اور کمزوری کا اثر صاف نمایاں ہے۔ ارکان دولت متفکر ہیں کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ اطبا اور ماہرین حکمت حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور والا! ہمیں یہ کیا محسوس ہو رہا ہے؟ چہرے پر نقاہت و کمزوری کے آثار کیوں ہیں؟ ہمیں احساس تو کافی مہینوں سے ہو رہا ہے مگر لب کشائی کی جرأت نہ ہو رہی تھی آج مجبوراً ہمت کرنی ہی پڑی، لہٰذا آپ فرمائیں کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ پہلے تو آپ نے ٹالنے کی کوشش کی مگر جب طبیبوں نے عرض کیا حضور والا! آخر ہماری خدمات کس دن کام آئیں گی؟ ہمیں اپنے آقا کی خدمت کا موقع کب ملے گا؟ جب طبیبوں کا اصرار زیادہ ہونے لگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کئی برس بیت گئے جب سے تخت شاہی پر بیٹھا ہوں اسی وقت سے میرا نفس یہ چاہ رہا ہے کہ اپنے پیٹ کو جو کی روٹی سے آسودہ کروں مگر میرا دل اس چیز کو گوارا نہیں کرتا۔ ان ڈاکٹروں نے کہا حضور والا! آپ تو بادشاہ وقت ہیں پھر بھلا اس مشقت و پریشانی کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میرا ضمیر یہ گوارہ نہیں کرتا کہ میں پیٹ بھر کھانا کھا کر سو جاؤں اور میری حکومت کا کوئی فرد قحط سے متاثر ہو کر بھوکا ہی سو رہے اس لیے میں بھی ہمیشہ بھوکا ہی سوتا ہوں تا کہ قیامت کے روز میں پکڑا نہ جاؤں۔ اللہ اللہ یہ اسلامی سیاست کا ایک نمونہ ہے۔ تاریخ عالم میں کوئی ایسی قوم جو اس بادشاہ کے اس ایک عمل کا نمونہ پیش کر سکے۔ میرا چیلنج ہے کہ صبح قیامت تک دوسری قوموں میں ایسا نمونہ نہیں مل سکتا۔ اگر نمونہ ملے گا تو اسی مصر کے تخت پر بیٹھنے کے بعد فرعون کا مکروہ چہرہ ملے گا جس کے ہاتھ لاکھوں بے گناہ قبطیوں کے خون میں

ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اور کبھی تخت شاہی کے غرور میں اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ کا نعرہ لگاتا ہوا ملے گا۔ کوئی شداد اسی فرش گیتی پر جنت بناتا ہوا نظر آئے گا اور کوئی قارون اپنے بے حساب خزانوں کے ساتھ زمین میں دھنستا ہوا نظر آئے گا۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تنہا پوری روئے زمین کے بادشاہ تھے مگر اس کے باوجود نہ شاہانہ انداز تھا اور نہ ہی شاہی طمطراق نہ بادشاہی جاہ وجلال تھا اور نہ ہی شہنشاہی شان وشوکت، بلکہ ایسی سادہ اور دلنشیں زندگی جس پر ہزاروں رعنائیاں قربان ہوتی نظر آتی ہیں۔ آپ کے والد محترم حضرت داؤد علیہ السلام ایک عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر تھے، صاحب کتاب وشریعت رسول تھے اور اپنے وقت کے بادشاہ بھی۔ اور عالم یہ تھا کہ آپ کے دور حکومت میں رعایا باغ باغ رہا کرتی تھی۔ شیر اور بھیڑیا ایک گھاٹ سے پانی پیا کرتے تھے خود آپ کا معمول یہ تھا کہ رعایا کی دیکھ بھال کی پوری ذمہ داری ادا کرتے تھے مگر حکومت سے ایک بھی پیسہ نہ لیتے تھے خود اپنے مقدس ہاتھوں سے زرہ اور دوسرے ہتھیار بناتے اور اسے بیچتے تھے۔ اور اس رقم سے اپنا ذاتی خرچ اور اہل وعیال کا گزر بسر ہوتا تھا۔ کیا یہ بادشاہتیں اور حکمرانیاں بغیر سیاست کے تھیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ تو پھر ہے دنیا کی کوئی قوم جوان سیاست دانوں کی مثال پیش کر سکے۔ یہ ہے ہمارے اسلاف کی روشن تاریخ کا تابناک باب۔ مگر آج ہم کہاں جا رہے ہیں؟ قوم کی کیا حالت ہو رہی ہے؟ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور زمانے کی زمام قیادت کو سنبھال لو کہ آج دنیا کو پھر اسلامی سیاست کی ضرورت ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اسلام سے قبل عربوں کا نظام حکومت: سامعین کرام! آیئے اب میں آپ کو بلا تاخیر اسلام کے تابندہ سیاسی اصول وضوابط اور افکار ونظریات کی سیر کراؤں مگر اس سے پہلے چند جملوں میں اہل عرب کا نظام حکومت

ملاحظہ فرمالیں تاکہ اسلامی افکار کی وسعت و جامعیت نکھر کر سامنے آجائے۔ دور جاہلیت میں قبیلے کا مطلب تھا انسانوں کا اجتماعی گروہ جو کسی ایک خطے یا ایک علاقے میں قیام پذیر ہو۔ قبیلے کا شیخ ان کا حاکم وسربراہ ہوا کرتا تھا جو قبیلہ کے افراد کی خاندانی قربت اور خونی رشتہ کی بنیاد پر قبیلہ کی شیرازہ بندی کیا کرتا تھا اور افراد ہی کی امداد سے ان کی تعمیر وترقی اور فلاح و بہبود کے کام کیا کرتا تھا۔ موجودہ دور کی طرح عربوں میں عدالتی، فوجی اور دستوری نظام نہیں تھا بلکہ وقت اور حالات کے تھپیڑے ان کو جس رخ پر لگا دیتے تھے بس اسی کے مطابق عمل کرنے اور فیصلہ دینے پر مجبور ہوا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ ہر قبیلہ کا شیخ اس قبیلہ کا حاکم وسربراہ ہوا کرتا تھا۔ اس قبیلے کے افراد اسی کی مرضی اور فرمان کے مطابق عمل کرتے تھے کسی کو امیر کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، قریب قریب تمام عرب قبائل کی حالت یہی تھی۔

مگر جب اسلام کی جلوہ گری ہوئی تو اس نے جاہلیت کے شخصی نظام کا طلسم توڑ کر تمام بکھرے ہوئے قبائل کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ نسلی غرور، طبقاتی کشمکش اور قومی اختلافات کو ختم کرکے مذہبی اتحاد پیدا کیا۔ حد یہ کہ اسلام نے امیر وغریب آقا وغلام سرمایہ دار و نادار، چھوٹے بڑے ہر طرح کے باطل امتیازات مٹا کر سبھوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا۔ اسلام کا یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جو بجا طور پر لائق صد افتخار ہے۔ پروردگار عالم نے قرآن مقدس میں اس احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (الانفال:۶۳)

اور ان کے دلوں میں میل کر دیا اگر تم زمین پر جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے ان کے دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے بیشک وہی غالب حکمت والا ہے۔

سیاسی تحریکوں کی ناکامی کی وجہ: آج کے ترقی یافتہ اور مہذب لوگ اور سیکولرازم کی علمبردار دنیا امن وسکون کے لیے بے قرار ہے، چین

وآرام کی خاطر سرگرداں و پریشاں ہے ہر طرف افراتفری کا ماحول ہے ایک ملک دوسرے ملک سے خوفزدہ اور پڑوسی پڑوسی سے سہا ہوا ہے ہر طرف درد وکرب اضطراب واضمحلال کی لہریں ہیں مگر ایسے پرفتن اور پرآشوب دور میں بھی میرا دعویٰ ہے کہ اگر ساری دنیا تعصب وتنگ نظری اور بغض وعناد کی عینک اتار کر اسلامی اصول وضوابط پر عمل پیرا ہو جائے تو بہت تھوڑے سے عرصے میں پورے عالم میں ایک خوشگوار اور فرحت بخش انقلاب کی دھمک محسوس کی جا سکتی ہے اور امن وسکون کی باد بہاری سے ساکنان عالم کے اذہان وقلوب مہک سکتے ہیں۔

آج سے پہلے بہت سی سیاسی، اقتصادی، معاشی، سماجی، قومی، ملکی اور عالمی تحریکیں وجود میں آئیں اور بڑے جوش وخروش اور جذبۂ خود اعتمادی کے ساتھ چلیں مگر کچھ ہی دنوں بعد ان کی ساری آب وتاب ختم ہوگئی دنیا نے دیکھا کہ بڑی محنت اور مشقت سے بہت سوچ سمجھ کر اور بڑے ہی غور وفکر کے بعد شوسلزم، کمیونزم اور نیشنلزم کے نام سے بڑی پرشکوہ وپرجلال تحریکیں اٹھیں مگر چند ہی سالوں میں ان کی تمام آرائش وزیبائش اور چمک دمک ملیامیٹ ہوگئی۔ آخر ایسا کیوں؟ اس کا جواب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان تحریکوں کے پیچھے ارباب سیاست کی سیاسی چالیں پوشیدہ تھیں۔ ان کے پیش نظر ذاتی مفاد اور ہوس وجاہ طلبی تھی۔ جب تک منزل بعید رہی عزائم بلند اور حوصلے جوان رہے، خیالات میں بظاہر پختگی اور امنگ میں موجوں کی سی طغیانی رہی مگر جیسے جیسے منزل قریب آتی گئی جذبات سست پڑتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب مقاصد حل ہو گئے تو سارے معاملات بھی ختم ہو گئے۔

اسلامی تحریک کی بالادستی: اس کے برعکس اسلامی تحریک کو قائم ہوئے آج چودہ سو سال سے زیادہ کا طویل عرصہ گزر گیا۔ مگر یہ آج بھی پھلتی پھولتی اور پھیلتی چلی جارہی ہے یہ اور بات ہے کہ عام تحریکوں کی طرح اسے بھی مخالفت کی تیز وتند آندھیوں کا سامنا کرنا پڑا مگر اس کے دیوانے پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر ڈٹے رہے، ستم سہتے رہے اور مسکراتے رہے ظلم برداشت کرتے رہے اور دعا

دیتے رہے نتیجتاً یہ تحریک آج بھی اسی طرح اپنی چمک دمک کے ساتھ موجود ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
تم جتنا دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

یہی وجہ ہے کہ دنیا آج بھی اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھ کر حیرت میں ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آیا وہ کون سی طاقت ہے جس کی بدولت یہ تحریک روز بروز شاہراہ ترقی پر گامزن ہے دنیا کی ساری طاقتیں ایک طرف اور اسلام کی تنہا ضیا پاشی ایک طرف۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

میرے بزرگو! اس سلسلے میں میں دنیا والوں کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ دنیا کی تحریکیں اور تنظیمیں اپنے بانی کے اخلاقی اور روحانی توانائیوں پر کامیاب ہوتی ہیں اور اس کی کمیابی کی وجہ سے ناکام ہو جاتی ہیں ناکام تحریکیں بہت حد تک مفید دستور اور عصری ضروریات سے خالی ہوا کرتی ہیں۔ قوانین میں جبر و استبداد کا عنصر پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سارے فکری نظام اپنے پر شکوہ جاہ وجلال کے باوجود بہت جلد از کار رفتہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی دستور اور قوانین ان جیسی خامیوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ اسلامی دستور کا ایک ایک پہلو انسانیت کو اوج کمال پر پہنچانے کا جذبہ رکھتا ہے۔ نیز اسلامی تحریک کی کامیابی اور روز افزوں ترقی کی ایک دوسری اہم وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کسی جذباتی انسان کے جذبۂ جنوں یا کسی حلیم و بردبار انسان کی فکر سلیم کی پیداوار نہیں اور نہ ہی اس کا محرک کوئی انسان ہے بلکہ انسانوں سے بہت ہی بلند و بالا وہ عظیم ہستی ہے جس نے کائنات کے ساتھ ساتھ خود انسان کو بھی پردۂ عدم سے نکال کر خلعت وجود سے سرفراز فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کا سربراہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تم میری اطاعت و فرماں برداری کرو میرے بتائے ہوئے قانون پر چلو بلکہ اس کی تمام تر طاقت اس بات پر صرف ہوتی ہے کہ اس فرش گیتی پر بسنے والے تمام انسان اس فرماں روائے اعظم کی بارگاہ میں اپنی جبین نیاز خم کریں جو تمام مخلوق کا پالن ہار ہے۔ اس مالک حقیقی کا برملا اعلان ہے۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (پ۷، انعام، آیت:۵۶)
حکم نہیں مگر اللہ کا۔ (کنزالایمان)
وَلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا۔ (پ۱۵، الکہف، آیت ۲۶)
اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (کنزالایمان)
فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (پ۳۰، البروج، آیت:۵۶)
ہمیشہ جو چاہے کرنے والا (کنزالایمان)
یہ اور اس قسم کی بہت ساری وضاحتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ الٰہی تحریک ہے اور اسے بارگاہ الٰہی سے سند قبولیت حاصل ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (پ۳، ال عمران)

نبی کریم ﷺ بحیثیت ایک ماہر سیاست داں

آنکھ والوں پر ہے روشن یہ حقیقت آج بھی
اہل عالم کو ہے قرآں کی ضرورت آج بھی
اے مسلماں! اس طرف آ تیرگی کو چھوڑ دے
شمع منزل ہے نبی کی پاک سیرت آج بھی

سامعین کرام! اگر اب بھی ذہن ودماغ کے دریچے مکمل طور سے نہ کھلے ہوں اور کسی گوشہ میں شکوک وشبہات کی کوئی چنگاری دبی ہو تو لیجئے! اب آپ کے سامنے پیغمبر اسلام محسن انسانیت، آقائے نعمت، دریائے رحمت، غمخوار امت، سرور کون ومکاں، انیس بے کساں، چارہ ساز دردمنداں، حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کی ذات اقدس میں ایک ماہر سیاست داں کی فکری بلندی اور اعلیٰ دماغی کا روشن وتابناک جلوہ ملاحظہ کیجئے۔

حضرات گرامی! رب تبارک وتعالیٰ ارشاد گرامی ہے۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ۲۱، احزاب، آیت:۲۱)
بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔ (کنزالایمان)

اب یہ بہترین نمونہ عمل صرف ایک فرد، ایک علاقہ، ایک ملک، ایک قوم، ایک نسل اور ایک برادری کے لیے نہیں ہے بلکہ "لکم" کی اجتماعیت نے سارے جہاں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔ اگر تم یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے لخت جگر کو دیکھو۔ اگر بچے ہو تو ابو طالب کے پیارے بھتیجے کو دیکھو۔ اگر جوان ہو تو غار حرا کے گوشہ نشین کو دیکھو۔ اگر تم تاجر و سوداگر ہو تو شام و یمن کی طرف تجارت کرنے والے نوخیز تاجر کو دیکھو۔ اگر تم مظلوم و قیدی ہو تو شعب ابی طالب کے محصور کو دیکھو۔ اگر تم بادشاہ ہو تو شہنشاہ حجاز کی سیرت کا مطالعہ کرو، اگر تم رعایا ہو تو مکہ کے ناقہ سوار کو دیکھو۔ اگر تم کمانڈران چیف ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار کو دیکھو۔ اگر استاد ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم کو دیکھو، اگر تم خطیب و ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے خطیب کو دیکھو۔ اگر تم مخالفت کے طوفان میں حق و صداقت کا پرچم لہرانا چاہتے ہو تو، فاران کی چوٹی سے کلمہ حق بلند کرنے والے مبلغ اعظم کی حیات طیبہ دیکھو۔ اگر تم میدان جنگ جیت چکے ہو تو مکہ کے فاتح کی شان رحمت دیکھو اور اگر تم معرکۂ کارزار میں شکست کھا گئے ہو تو جنگ احد سے سبق حاصل کرو۔ اگر تم اولاد والے ہو تو زینب و کلثوم اور فاطمہ کے والد محترم کی زندگی دیکھو اور اگر تم بیوی والے ہو تو خدیجہ اور عائشہ کے مقدس شوہر کی زندگی دیکھو اور اگر تم نواسہ والے ہو تو حسن اور حسین کے مقدس نانا کی حیات مبارکہ کو نمونہ بنالو۔ غرض یہ کہ تم کسی بھی طرح کی اچھائی کا نمونہ تلاش کرو گے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ تمہاری بھرپور رہنمائی کرتی ہوئی نظر آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے ہمیں جہاں عبادت و ریاضت اور تقویٰ و طہارت کا سبق ملتا ہے، وہیں پر آپ کی ذات اقدس سے سیاست کی گتھیاں بھی سلجھتی نظر آتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قوم کے صرف خطیب و ناصح ہی نہیں تھے بلکہ مملکت اسلامیہ کے سربراہ اعلیٰ بھی تھے۔ آپ نے اپنے سیاسی تدبر سے ایسے وقت میں جہاں بانی کے فرائض انجام دیے جب کہ دنیا ایک عظیم انقلاب سے دوچار تھی۔ کیا یہ آپ کی اعلیٰ سیاسی بصیرت کا ثبوت نہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد تمام صحابہ کو اکٹھا کر کے انصار سے ارشاد فرمایا۔

"اے انصار! یہ مہاجر مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ یہ تمہارے بھائی بے سروساماں اور پریشان ہیں یہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ دست و بازو سے کام کئے بغیر وقت گزاریں اور کوئی کام نہ کریں لیکن ان کے پاس نہ سرمایہ ہے اور نہ اثاثہ ضرورت ہے کہ تم ان کی عملی امداد کرو"

یہ طریقہ جسے تاریخ میں "عقد مواخات" کے نام سے یاد کیا گیا ہے دینی اور اخلاقی نقطۂ نظر کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قدم سیاسی اعتبار سے بھی بہت اہم تھا مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد آپ نے مدینہ اور اطراف وجوانب کے غیر مسلموں سے جو عہدو پیان کیا وہ بھی آپ کی سیاسی بالغ نظری کی واضح دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نامہ ایک ایسا قدم تھا جس نے نہ صرف باشندگان مدینہ کو متحد کر دیا بلکہ اس عہد نامہ کی رو سے غیر مسلموں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت و سرداری کو تسلیم کرلیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے جس سیاسی مہارت کا ثبوت پیش کیا اس پر عقل انسانی آج بھی محو حیرت ہے۔ آپ نے جس تھوڑے سے عرصے میں اسلام کا آفاقی پیغام دور دور تک پہنچا دیا اور اسلامی سلطنت کو جس انداز سے مضبوط و مستحکم بنا دیا تھا۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اردگرد سیاسی ماہرین کا جو دستہ تیار کیا تھا آج بھی دنیا ان کے در سے آئین سیاست کی بھیک مانگ رہی ہے اور ان کے اصول جہاں بانی پر اپنی حکومتوں کی بنیاد رکھ رہی ہے۔ اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

حضرت صدیق اکبر کی سیاسی بصیرت: یارِ غار پیغمبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں ایثار و قربانی کے پیکر، صدق و صفا کے مجسمہ، علم وفن کے تاجدار، عابد شب زندہ دار، زاہد باوقار اور بہترین تاجر و سرمایہ دار

تھے وہیں میدان سیاست کے بھی قابل قدر شہسوار تھے۔ خوف خدا اور محبت رسول کی ضیاباری سے آپ کا دل و دماغ اتنا روشن ہوگیا تھا کہ بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مسائل چشم زدن میں حل فرمادیا کرتے تھے۔ آپ کی عزت و عظمت، شان و شوکت، ذہانت و فطانت، تقویٰ و طہارت و ارسیاسی وسماجی بصیرت وبصارت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ تمام صحابہ کرام نے متفقہ طور پر آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ و جانشین تسلیم کیا۔ تاریخ اسلام کے ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم سے بھی یہ بات پوشیدہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے کوچ کرنے کے بعد حالات کتنے سنگین اور نازک ہوگئے تھے۔ خاص طور سے نئے اسلام قبول کرنے والوں میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ دشمنان اسلام کو سر ابھارنے کا موقعہ مل گیا۔ منافقین کی شر انگیزی اور فتنہ پروری کی وجہ سے یہ سمجھا جانے لگا کہ اب مسلمانوں کی طاقت ٹکڑے ہو چکی ہے اس لیے ہر طرف بغاوت و سرکشی کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان میں خاص طور سے مانعین زکوۃ، مرتدین اور جھوٹے نبیوں کا فتنہ اپنی جملہ ہلاکت خیزیوں اور تباہی و بربادی کے ساتھ عروج پر تھا۔۔ یوں تو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے حواس باختہ تھے ہی ادھر دشمنان اسلام کی ان حیرت انگیز جسارتوں اور غیر متوقع شرارتوں کی وجہ سے اور بھی پریشان ہو اٹھے۔ خود اسلام کے جاں نثاروں کا یہ نظریہ بنتا جارہا تھا کہ اب سرزمین عرب پر اسلام کا باقی رہنا مشکل ہوگیا ہے۔ نتیجتاً دنیا پھر کفر و شرک کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوجائے گی۔ ایسے پر آشوب دور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمانی و روحانی عزم و حوصلہ، مومنانہ فراست اور سیاسی حکمت و دانائی سے اس انداز سے ان طوفانوں کا مقابلہ کیا کہ بہت ہی کم عرصے میں ساری مخالفتیں دم توڑ گئیں، ابر آلود مطلع چھٹ گیا۔ گرد آلود فضا صاف ہوگئی اور اسلام کا چہرہ ایک بار پھر پورے آن بان، شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ روشن و درخشاں دکھائی دینے لگا۔

آپ کے عہد حکومت میں اسلامی سلطنت اگر چہ بالکل ابتدائی مراحل میں تھی مگر اس کے باوجود نظام سلطنت بڑا صاف ستھرہ اور پاکیزہ تھا۔ یہ اصول حکومت کی پاکیزگی ہی کا اثر تھا کہ بہت تھوڑے سے عرصے میں اندرونی خلفشار کا قلع قمع کرنے کے بعد بیرونی فتوحات کا بھی ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ جب آپ نے بیرونی فتوحات پر توجہ دی تو دنیا کی دو بڑی سلطنتوں روم اور ایران سے جا ٹکرائے جہاں فتح و نصرت آپ کی قدم بوس ہوئی اور اسلامی سلطنت کا رقبہ عراق اور شام کی سرحدوں میں داخل ہوگیا۔ اتنی بڑی سلطنت کے مالک اور اتنے عظیم الشان سربراہ کہ ان کے دور حکومت میں مسلمانوں میں خوشحالی اور فارغ البالی کی لہر دوڑ گئی۔ امن وسکون، اخوت و مساوات اور عدل وانصاف کی باد بہاری سے فضا کا گوشہ گوشہ معطر ہوگیا۔ مگر اس حکمرانوں کا جب آخری وقت آیا تو انہوں نے اپنی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے وصیت کی کہ۔

”عائشہ میری بیٹی! میرے یہ دو پرانے کپڑے ہیں مجھے غسل دے کر انہیں دونوں پرانے کپڑوں میں کفنا دینا کیونکہ مردہ کی بہ نسبت زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ حاجت ہے میں اگر اچھے اور نئے کپڑے میں کفنایا گیا تو کچھ بڑھ نہ جاؤں گا اور اگر پرانے اور بوسیدہ کپڑوں میں کفنایا گیا تو کچھ گھٹ نہ جاؤں گا۔ لہٰذا پرانے ہی کپڑوں میں کفنانا“۔

یہ ہے اس سیاست کا نمونہ جو خدمت خلق کے جذبے سے معمور ہے۔ جہاں ہمدردی ہی ہمدردی ہے۔ ایثار ہی ایثار ہے۔ قربانی ہی قربانی ہے غمگساری ہی غمگساری ہے، غمخواری ہی غمخواری ہے۔ یہ ہے وہ سیاست جو مستحق ثواب اور باعث دخول جنت ہے۔

حضرت فاروق اعظم کی سیاسی عظمت: خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی دینی و مذہبی عزت و عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ۔

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے''

یوں تو آپ کے فضائل میں بے شمار حدیثیں مروی ہیں لیکن صرف یہی ایک حدیث پاک آپ کی رفعت شان اور علوے عظمت کا اندازہ لگانے کیلئے کافی ہے۔

پروردگار عالم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جن نمایاں اوصاف اور بے پایاں خوبیوں سے نوازا تھا۔ان کے تذکرہ سے تاریخ وسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہاں پر مجھے صرف اتنا بتانا ہے کہ آپ نہایت ہی مدبر باریک بیں اور دور اندیش سیاست داں بھی تھے۔آپ نے سلطنت اور رعایا کی ترقی انتظام وانصرام کی درستگی اور ملک وملت کی تعمیر وترقی کے جو اصول ترتیب دیے تھے دنیا آج بھی ان سے رہنمائی اور فائدہ حاصل کررہی ہے۔اقوام متحدہ اور یورپین مفکرین جن قوانین کو نافذ کر کے آج دنیا کو مساوات اور سیکولرزم کا پیغام دے رہے ہیں۔عرب کا ایک بوریہ نشیں حکمراں آج سے چودہ سو سال پہلے ان سے بہتر انداز میں ان اصولوں کو عملی جامہ پہنا چکا ہے۔

سامعین محترم! آپ خیال فرمائیں اور دیکھیں کہ امیر المومنین حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کتنے بڑے سیاسی مدبر تھے اس وقت جب کہ دنیا اصول حکمرانی سے بالکل ناواقف تھی حضرت فاروق اعظم نے حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے باقاعدہ بیت المال قائم کیا۔فوجی نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے دفتر قائم کیا۔رضا کاروں کے لیے تنخواہیں مقرر کیں، ملک کی پیمائش کا اہتمام کیا۔مردم شماری کا انتظام کیا۔نئے نئے شہر آباد کئے۔مقبوضہ علاقوں کو باقاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا اور صوبوں کے لیے گورنر اور حکام مقرر کئے گئے۔آپ ہی نے سب سے پہلے جیل اور پولیس کا محکمہ قائم کیا۔سی، آئی، ڈی یعنی جاسوسی کا شعبہ قائم کیا۔آپ نے بہت ساری سڑکیں بنوائیں۔مسافروں کے لیے کنواں کھدوایا اور مسافر خانے تعمیر کروائے۔ غریب اور بے سہارا غیر مسلموں کے لیے روزینہ مقرر کیا۔مملکت اسلامیہ میں

باقاعدہ سکہ جاری کروایا۔ مختصر یہ کہ آپ کے عہد مبارک میں سلطنت چلانے کے لیے ایسے ایسے انتظامات اور اصول وضوابط وضع کیے گئے جو آج بھی دنیا والوں کے لیے نقوش راہ اور نشان منزل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

وہ داستاں جو امانت دل ہے کے داغوں کی
کہوں تو چاند ستاروں کو نیند آجائے

یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت ہی کا فیضان ہے کہ آپ کا دور حکومت اسلام کے فروغ وارتقا اور نشر واشاعت کا زریں دور کہا جاتا ہے اور بھلا کیوں نہ ہو کہ صرف آپ کے زمانے کی فتوحات پر غور کرنے کے بعد عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ آپ کی وسیع فتوحات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو ممالک آپ کے دور خلافت میں فتح ہوئے ان کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ اس بائیس لاکھ مربع میل کے اندر چھتیس ہزار شہر اور قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ شام وفلسطین، مصر وایران، خراسان ومکران جیسی طاقتور اور عظیم الشان حکومتیں آپ ہی کے دور خلافت میں سلطنت اسلامیہ میں شامل ہوئیں۔ جہاں مذہب اسلام کی خوب خوب ترقی ہوئی۔ مگر ان تمام زریں خدمات کے باوجود اس مرد مجاہد کی شان بے نیازی تو دیکھو۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ ملنے کے لیے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ گھر سے نکلنے میں دیر ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کے کپڑے میلے ہو گئے تھے اور آپ کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا جوڑا نہیں تھا۔ اس لیے وہی جوڑا جسے آپ پہنے ہوئے تھے دھو کر سوکھنے کیلئے ڈال دیا تھا جب وہ سوکھ گیا تب آپ پہن کر باہر تشریف لائے۔

یہ ہے اس شہنشاہ کی سادگی جس کے نام سے قیصر وکسریٰ اور ایران وروما جیسی سلطنتیں کانپتی تھیں۔ دنیا کی تاریخ میں ہے کوئی ایسی شخصیت جس سے کردار عمر کا موازنہ کیا جا سکے؟

حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تاریخی

تفصیلات اور سوانحی واقعات سے قطع نظر یہاں پر صرف یہ بتانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کس کس انداز میں سیاسی خدمات انجام دی ہیں؟ خلفائے راشدین میں حضرت علی اور حضرت عثمان غنی اور سیدنا مولائے کائنات رضی المولیٰ تعالیٰ عنہما کی سیاسی وسماجی خدمات سے کون انکار کرسکتا ہے۔ آپ حضرات نے جس انداز سے مملکت اسلامیہ کی خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ فقیری میں شہنشاہی اور شہنشاہی میں فقیری کا اگر اعلیٰ نمونہ دیکھنا ہو تو خلفاء راشدین کی حیات مبارکہ اس کا بہترین نمونہ ہے۔

اگر اسلام کے جانباز مجاہدین اور سیاسی مدبرین کا جائزہ ہی لینا ہے تو حضرت خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص کی تاریخ ساز شخصیات بھی نگاہوں کے سامنے رکھ لی جائیں جن کی جرأت ومردانگی شجاعت وبہادری اور سیاسی بالغ نظری کی اہمیت آج بھی محسوس کی جارہی ہے۔ حضرت سعد نے عراق وایران کا تاج شاہی اتار کر اسلام کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت خالد اور ابوعبیدہ بن جراح نے رومیوں کو عبرتناک شکست دے کر ان کی طاقت وقوت اور غرور شاہی کو خاک میں ملادیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے وادیٔ نیل پر اسلام کا پرچم لہرادیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن ابی سرح نے افریقہ کے ریگزاروں اور صحراؤں کو قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کی کیف آور صداؤں سے لالہ زار بنادیا۔ اسلام کے یہ وہ مایہ ناز سپوت ہیں تاریخ جن پر کل بھی ناز کرتی تھی اور آج بھی فخر کررہی ہے۔ انہیں بزرگوں کے فاتحانہ کارناموں سے متاثر ہوکر ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
اور کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

حضرات محترم! آپ اگر ماضی کے چند اوراق الٹیں اور پیچھے چلیں آئیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسا سیاست کا مرد میدان اور دین کا محافظ ونگہبان آپ کو ملے گا۔ جن کی خلافت وحکومت میں خلافت راشدہ کی مکمل جھلک نظر آتی ہے۔

حضرات گرامی! میں آپ کو زیادہ تفصیل میں نہیں لے جانا چاہتا۔ آیئے! خود اس ملک ہندوستان کی ایک عبقری شخصیت کا تذکرہ سنیں اور اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ کیا ہم انہیں اسلاف کی اولاد ہیں جن کے بے نظیر کارناموں سے تاریخ کے صفحات آج بھی جگمگا رہے ہیں۔

سلاطین ہند کا پاکیزہ کردار: یہ ۶۲۳ھ کا زمانہ ہے اور دلی کی سرزمین پر روحانیت کے تاجدار سلطان العابدین شمس العارفین، سراج السالکین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان رونق افروز ہیں۔ آپ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام ہیں۔ ایک دن آپ نے اپنے مریدین ومخلصین کے سامنے یہ وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ وہ پڑھائے گا جس میں یہ شرطیں پائی جائیں۔

(۱) جس کی عصر کی چار سنتیں قضا نہ ہوئی ہوں (۲) جس نے کبھی جماعت نہ ترک کی ہو (۳) جس نے بلا وضو کبھی آسمان کی طرف نگاہ نہ اٹھائی ہو (۴) اور جس کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔ آخر کار ایک دن آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی نماز جنازہ کا وقت آیا وصیت کا ذکر کیا گیا تو کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے حالانکہ اس وقت دہلی اور قرب وجوار کے بڑے بڑے عالم اور درویش موجود تھے۔ مگر سب خاموش تھے۔ اس وقت ہندوستان کے بادشاہ فقر وجلال کے سنگم حضرت سلطان شمس الدین التمش تھے وہ بھی جنازہ میں شریک تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وقت گزر رہا ہے اور کسی میں جنازہ پڑھانے کی مذکورہ شرطیں نہیں پائی جارہی ہیں، تو خود آگے بڑھے اور کہا الحمد للہ یہ تمام شرطیں میرے اندر موجود ہیں۔ آگے بڑھے اور نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ اکبر۔ یہ ہے اس مرد خدا ترس کا حال جو ہندوستان جیسی عظیم سلطنت کا مالک بھی تھا اور اپنے وقت کا ولی کامل بھی۔ آج بھی لوگ سیاست کرتے ہیں۔ مگر وہ اپنی گلیوں اور محلوں کی سیاست میں ایسے الجھے ہیں کہ انہیں نماز تک کا خیال نہیں آتا۔ جب کہ اسی ہندوستان کی سرزمین پر ہمیں شیر شاہ سوری جیسا فرمانروائے اعظم بھی نظر آتا ہے جس کی سیاسی بصیرت اور اقتصادی

پالیسی سے آج بھی ہندوستان فیضیاب ہو رہا ہے۔ پشاور سے آسام تک جو جی۔ٹی روڈ ہے وہ اسی بادشاہ کی دین ہے۔ اس مرد قلندر کا عالم یہ تھا کہ روزانہ رات کی تاریکی میں بستر استراحت سے اٹھتا اور مسجد میں جاتا۔ نماز تہجد ادا کرتا، نوافل پڑھتا اور خود ہی اپنے ہاتھوں سے پوری مسجد صاف کرتا۔ ایک رات بادشاہ کا خادم پیچھے ہولیا یہ دیکھنے کے لیے کہ بادشاہ سلامت رات کی تاریکی میں کہاں جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ جب اس نے بادشاہ کو مسجد صاف کرتے ہوئے دیکھا تو فوراً آگے بڑھا اور بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا حضور! یہ کام میرا ہے۔ لہٰذا مجھے کرنے دیجئے۔ بادشاہ نے کہا نہیں یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کی خدمت کرنا میرا بھی حصہ ہے لہٰذا یہ کام تو مجھے ہی کرنے دو، اور ہاں! اس بات کا خیال رکھنا جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔ یہ میرا ایسا عمل ہے جسے صرف میں اور میرا پروردگار ہی جانتا ہے اور ملاحظہ کیجئے۔ دہلی کی جامع مسجد کی سنگ بنیاد کے وقت بادشاہ وقت شہنشاہ شاہجہاں خود بنفس نفیس تشریف لائے۔ جامع مسجد کا سنگ بنیاد اور بادشاہ کی آمد کی خبر سن کر دہلی کے عوام وخواص کا اژدہام ہو گیا خلق خدا کی کثرت کی وجہ سے تل رکھنے کی جگہ نہ تھی جب تیاری مکمل ہو گئی تو بادشاہ نے اعلان کیا کہ سنگ بنیاد رکھنے کے لیے وہ لوگ آگے آئیں جن کی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ مجمع پہ سناٹا طاری ہو گیا اور کوئی آگے نہ بڑھا کچھ دیر انتظار کے بعد شہنشاہ وقت خود آگے بڑھے اور بڑی حسرت آمیز آواز میں بولے "آج میرے اور خدا کے درمیان کا راز آشکارا ہو گیا"۔

اسی ہندوستان کی دھرتی پر آپ کو شہنشاہ ہندوستان حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کی بے مثال شخصیت بھی نمایاں نظر آئے گی۔ جن کی سلطنت کا دائرہ متحدہ ہندوستان کے علاوہ افغانستان اور تبت تک پھیلا ہوا تھا۔ حکمت وسیاست اور جاہ وجلال کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے مہاراجہ دریوزہ گری کرتے نظر آتے تھے۔ مگر اس کے باوجود فقر ودرویشی کا یہ حال تھا کہ شاہی خزانہ سے ایک پیسہ نہ لیتے تھے خود اپنے ہاتھوں سے ٹوپیوں پر کشیدہ کاری کیا کرتے تھے اور انہیں فروخت کرواتے تھے

اپنے ہاتھوں سے قرآن پاک کی کتابت کرتے اور اس کے ہدیہ سے اپنا ذاتی خرچ چلاتے تھے۔ انتقال کے وقت آپ نے وصیت کی تھی کہ چار روپے دو آنے جو میں نے ٹوپی کی کشیدہ کاری سے کمائے ہیں ان پیسوں سے کفن دفن کا انتظام کیا جائے اور تین سو پانچ روپے جو قرآن پاک کی کتابت سے حاصل ہوئے ہیں وہ خیرات کر دیے جائیں۔

اللہ اکبر! سیاست وحکمرانی کے اس اوج کمال پر پہنچنے کے بعد بھی زہد وورع اور تقویٰ وطہارت کا یہ عالم!! ہے دنیا کی کوئی قوم جو اس فقیر صفت شہنشاہ کی مثال پیش کر سکے؟

حضرات! اسلامی تاریخ کے یہ زریں صفحات اور ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی یہ روشن خدمات اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ اسلام کا رشتہ سیاست سے بہت گہرا اور قریبی ہے اور ان دونوں کے درمیان دوری سمجھنا سراسر نادانی ہے۔

ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ سیاست خدمت خلق کے لیے کی جائے۔ غریبوں کا غم دور کرنے کے لیے کی جائے۔ بے سہاروں کا سہارا، انسانیت کی فلاح، مخلوق خدا کی ہمدردی اور آدمیت کی تعمیر وترقی کے لیے کی جائے مختصر یہ کہ سیاست اگر اسلامی نقطۂ نظر سے کی جائے تو قابل ستائش، لائق تعریف مستحق اجر وثواب اور باعث حصول جنت ہے اور اگر اسلامی نظریات سے ہٹ کر انسانیت کی تخریب وتذلیل کے لیے کی جائے تو یقیناً یہ مذموم اور قابل نفرت ہے دعا ہے کہ پروردگار عالم لوگوں کو صحیح سیاست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

اسلام اور تجارت

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ۔ اَمَّا بَعۡدُ

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ

(پ ۲۸، الجمعہ آیت ۱۰)

پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (کنز الایمان)

صَدَقَ اللّٰهُ وَصَدَقَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَيۡهِ

گرامی قدر مشائخ عظام، علماء کرام اور حاضرین محفل! سب سے پہلے نہایت ہی عقیدت و محبت کے ساتھ مل کر سردار ابد قرار، مدینہ کے تاجدار، شہنشاہ ذی وقار، نائب پروردگار، دونوں عالم کے مالک و مختار حضور احمد مجتبیٰ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ پر وقار میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَسَلَّمَ

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

شمع رسالت کے پروانو! اللہ رب العزت نے اپنے محبوب و پسندیدہ دین یعنی مذہب اسلام کے اندر وہ ہمہ گیر جامعیت رکھی ہے جس کی مثال مذاہب عالم میں ناپید

ہے۔ آج پوری دنیا جھوٹی شان وشوکت اور چند روزہ دولت وثروت کے حصول میں سرگرداں ہے نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ عام طور سے لوگ عیش وآرام کی تلاش اور ایک دوسرے پر برتری کے خیال میں اتنے مست ہو چکے ہیں کہ تمام اخلاقی اصول پامال کیے جارہے ہیں نہ ایک دوسرے کی حق تلفی کا خیال ہے اور نہ ہی جائز وناجائز کی تمیز، نہ تو حلال وحرام کا ہوش ہے اور نہ ہی صحیح وغلط کے درمیان فرق، بس صرف دولت، چاہیے اور دولت چاہے جس طرح سے بھی حاصل ہو۔ روپے چاہئے اور روپے بھلے سے اس کا راستہ کوئی بھی ہو، آج کے مغرب زدہ ماحول میں یہ نظریات ان لوگوں کے ہیں جو فلک بوس عمارتوں میں رہتے ہیں، ایئر کنڈیشن فلیٹوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اس مادی دنیا کی چند روزہ چمک دمک ہی ان کی زندگی کا ماحاصل ہے

مگر میرے بزرگو اور دوستو! کم از کم ایک مسلمان کے لیے یہ فکری آزادی مناسب نہیں یہ تو وہ لوگ سوچ سکتے ہیں، جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہم تو رب کے فضل وکرم سے مسلمان ہیں ہمارے لیے تو آخرت ہی میں سب کچھ ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں صاف ارشاد ہے۔

اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْجَنَّۃُ لِلْکٰفِرِیْنَ وَالْعُقْبیٰ سِجْنٌ لِلْکٰفِرِیْنَ وَالْجَنَّۃُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ او کما قال علیه الصلوٰۃ والتسلیم۔

دنیا مومنوں کے لیے قید خانہ ہے اور کافروں کے لیے جنت اور آخرت کافروں کے لیے قید خانہ ہے اور مومنوں کے لیے جنت۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنے معاشرتی وسماجی معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہونا چاہئے اسی میں اس کی بھلائی اور کامیابی ہے اور بھلا شریعت کی پابندی میں کامیابی وکامرانی کیوں نہ ہو کہ یہ وہ شریعت نہیں جو تجرد وگوشہ نشینی کی دعوت دیتی ہو، یہ وہ مذہب نہیں جو رہبانیت اور ترک دنیا کا حکم دیتا ہو یہ وہ دین نہیں جو دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم دیتا ہو بلکہ مذہب اسلام وہ مذہب ہے جو جہاں بانی وجہاں بینی کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ حسن سلوک اور صلہ رحمی کا درس دیتا ہے دوست واحباب اور اعزہ واقربا سے اچھے بولنے اور اچھے

برتاؤ کی تاکید کرتا ہے اپنے پڑوسیوں اور ملنے جلنے والوں سے بہتر سے بہتر رویے کا سبق دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس کی تعلیمات میں اتنی وسعت اور کشادگی ہے کہ انسان اگر کوئی دنیاوی کام بھی نیک نیتی سے انجام دے تو اس پر بھی اسے ثواب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ اللہ اللہ کیا عظمت ہے اسلام کی ذرا ملاحظہ تو کیجئے۔

حلال روزی کی فضیلت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی اگر اپنے اہل وعیال کی پرورش کی نیت سے حلال روزی کماتا ہے تو یہ بھی عبادت ہے۔ (الحدیث)

مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں جو کسی نے اپنے ہاتھوں سے کام کر کے حاصل کیا ہے اور بیشک اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے مقدس ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال کمائی کی تلاش بھی ایک عظیم فرض ہے۔ (بیہقی)

ایک دن نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر جلوہ افروز تھے صبح ہی صبح ایک طاقتور نوجوان ادھر سے گزرا اور ایک دوکان میں چلا گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا۔ ہائے افسوس! اس وقت یہ جوان بجائے دوکان میں جانے کے اگر خدا کی راہ میں جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو کیونکہ اگر وہ اپنے تئیں یا اپنے ماں باپ اور اپنے بیوی بچوں کو خلق سے بے پرواہ کرنے کے لیے گیا ہے تو بھی وہ خدا کی راہ میں ہے اور اگر صرف فخر ومباہات اور محض مالداری دکھانے کیلئے گیا ہے تو شیطان کی راہ میں ہے (کیمیائے سعادت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص سے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا عبادت کرتا ہوں! آپ نے پھر پوچھا روٹی کہاں سے کھاتے ہو؟ اس نے جواباً کہا میرا ایک بھائی ہے وہ مجھے روٹی کھلا دیتا ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ روح

اللہ نے فرمایا تمہارا بھائی تم سے بڑا عابد ہے۔

رزق حلال کی تلاش میں نکلنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خدا کی راہ میں جہاد وقتال کے لیے نکلنا۔ اور رزق حلال کی تلاش میں تھک کر سو جانے والے سے اللہ راضی ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ اسی درمیان ایک صاحب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ میرے ذریعہ معاش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ یعنی میرا کام اچھا ہے یا برا؟ آپ نے پوچھا تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا میرا پیشہ درزی کا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سچائی سے کام کرو تو تمہارا کام بہت عمدہ ہے۔ کل قیامت کے دن تم حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔ ان کے بعد ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا حضور میرے پیشہ کے بارے میں ارشاد فرمائیں کہ کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیا کرتے ہو؟ عرض کیا معماری یعنی مکان بنانے کا کام کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہارا کام بھی بہت اچھا ہے کیوں کہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا پیشہ ہے۔ خدا تم کو برکت دے تم قیامت کے دن حضرت خلیل علیہ السلام کے ہمراہ ہوگے۔ پھر ایک اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور دست بستہ عرض کیا یا رسول اللہ! میرا پیشہ معلمی ہے میرے اس پیشے کے بارے میں حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا اگر خلوص کے ساتھ خلق خدا کو نصیحت کیا کرو تو کل قیامت میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے۔ ان کے بیٹھتے ہی ایک اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور عرض کیا یا حبیب اللہ! میرے پیشہ کے متعلق کیا فرمان عالیشان ہے آپ نے پوچھا تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا میرا پیشہ سوداگری ہے۔ یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ایمانداری اور راستی سے کام کرو تو قیامت کے روز تم میرے ساتھ رہو گے۔ اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ یعنی کسب کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسب ہرگز نہ چھوڑو اور یوں نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تو روزی دینے والا ہے ہی، کیوں کہ رب تبارک وتعالیٰ آسمان سے سونا اور چاندی نہیں برساتا۔ یعنی وہ ایسا کر تو سکتا ہے مگر کرتا نہیں بلکہ وہ انسان کو کسی نہ کسی ذریعہ اور سبب سے روزی عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا حیلہ ووسیلہ کو چھوڑ کر بیٹھ جانا عقلمندی نہیں۔ کسب کی فضیلت وبرکت اور ضرورت واہمیت کے مدنظر حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا کسب نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص مخلوق کا محتاج ہوتا ہے اس کا دین تنگ ہو جاتا ہے عقل ضعیف ہو جاتی ہے مروت زائل ہو جاتی ہے۔ پھر لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔

تجارت: کسب حلال میں خیر کثیر کے اعتبار سے سب سے زیادہ فضیلت تجارت کی ہے۔ جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے ظاہر ہے۔ برکت کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں۔ (کیمیائے سعادت)

امانتدار اور راست باز تاجر نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی صف میں ہوگا۔ (بخاری مسلم)

بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو حلال کمائی کے لیے محنت ومشقت اور جدوجہد کرتے ہیں اس طرح سے روزی کمانا یہ کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ فخر کا مقام ہے۔ اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر فخر موجودات اور روحِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام ورسلان عظام محنت ومشقت اور کدوکاوش ہی سے روزی حاصل کیا کرتے تھے۔ مثلاً ابوالبشر حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم زراعت وکاشت کاری کیا کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ لسلام کپڑے سلا کرتے تھے۔ حضرت ہود وحضرت صالح علیہما السلام تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام جانوروں کے بال اور اون فروخت کر کے گزر بسر کرتے تھے۔ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر بیچتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ

السلام بوریاں اور ٹوکریاں فروخت کرتے تھے اور ابتدائی ایام میں مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں نیز تجارت کی غرض سے آپ نے شام و یمن کا سفر اختیار کیا۔ اسی طرح سے اگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام تجارت کیا کرتے تھے مثلاً حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم، سیدنا عمر فاروق اور حضرت سیدنا عثمان غنی کی سیرت پاک کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات اپنے وقت کے بہت بڑے تجارت پیشہ تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کپڑا اور دودھ کے بہت بڑے بیوپاری تھے۔ سراج الملۃ کاشف الغمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کے ماضی کی روشن تاریخ شروع سے اخیر تک ایسے باکمال تجارت پیشہ افراد سے بھری ہوئی ہے۔ جن کی عظمت وشوکت اور سخاوت وفیاضی کے ڈنکے بجا کرتے تھے۔ مگر ماضی قریب کی تاریخ میں ہمیں ایسے افراد کی کمی صاف نظر آتی ہے۔ اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے مسلمانوں میں تجارت کی شرح میں کمی ہوتی جارہی ہے جس کے نتیجے میں قوم مسلم معاشی بدحالی کا شکار ہورہی ہے اور روز بروز اس قوم کی اقتصادی و معاشی حالت بگڑتی چلی جارہی ہے۔ مگر اس کے باوجود قوم کے بااثر اور بالغ نظر حضرات اس پر بند باندھنے کی کوشش نہیں کررہے ہیں۔ جب کہ ہمارے آس پاس دوسری قومیں باہمی تعاون سے کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہیں۔ وہ کس طرح سے ذرہ سے آفتاب بن رہی ہیں اس پر زیادہ تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ ان کے برعکس قوم مسلم کا عالم یہ ہے کہ یہ اپنی قسمت کا سہارا لے کر ایک دوسرے کا منھ تک رہی ہے اور بس! حالانکہ اگر آج بھی عزم وحوصلہ کے ساتھ میدان عمل میں اتر جائے تو رفتار زمانہ کی سمت بدل سکتی ہے۔

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے شکوۂ قسمت کیسا
ضرب مرداں سے اگل دیتا ہے پتھر پانی

آج قوم مسلم کی کاہلی اپنے حدوں کو پار کرتی جا رہی ہے جسم و جان کی وہ قوت جسے پروردگار عالم نے بروئے کار لانے کی ترغیب دی ہے مسلمان اسے یوں ہی بیکاری میں ضائع کر کے خوش ہو رہا ہے۔ محنت و مشقت سے جی چرا کر فاقہ کشی کا شکار ہے مگر اس کے باوجود احساس کی خوابیدہ رگیں بیدار نہیں ہوتیں۔

حضرات محترم! یہ دنیا اسباب پر قائم ہے۔ جب تک حرکت نہ ہوگی اس وقت تک برکت نہیں ہو سکتی۔ حرکت کرنا ہمارا کام ہے۔ برکت دنیا رب کا کام ہے۔ اور وہ اپنے کام پر بڑا مستعد اور فیاض ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اگر کسی کے پاس اسباب نہ ہوں یا ظاہری تمام ذرائع مفقود ہوں تو ایسی صورت میں رحمت پروردگار کا انتظار بجا ہے اور ہمارا پروردگار تو اتنا کریم ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے ایسے مقام سے انتظام فرماتا ہے، جہاں عقل انسانی کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے وہ ایسا ذریعہ پیدا فرما دیتا ہے کہ انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔

کرشمۂ قدرت: ایک بزرگ روزی کی تلاش میں اپنے گھر سے نکلے ان کا گزر ایک جنگل سے ہوا ایک جگہ انہوں نے دیکھا کہ ایک لومڑی ہے جو جسمانی اعتبار سے بڑی موٹی تازی اور تندرست ہے جب اس کے قریب پہنچے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیوں کہ انہوں نے دیکھا کہ یہ ایک ایسی لومڑی ہے جس کے نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں ساتھ ہی آنکھوں سے اندھی بھی ہے۔ لومڑی کی اس حالت نے اس بزرگ کے قدموں کو جکڑ لیا اور یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ بغیر ہاتھ پاؤں اور آنکھ کے آخر یہ اتنی موٹی تازی اور تندرست کیسے ہے آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ اسے کس قوت کی پشت پناہی حاصل ہے؟ اس کی تندرستی اور زندگانی کا راز کیا ہے؟ یہ اپنا رزق کس طرح سے حاصل کرتی ہے؟ اس کے کھانے پینے کا انتظام کون کرتا ہے؟ اسے روزی کہاں سے ملتی ہے؟ ابھی وہ انہیں سوالات میں گم تھے کہ سامنے سے زمین شق ہوئی اور اس میں سے دو پیالے نمودار ہوئے جن میں سے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد بھرا تھا۔ ان پیالوں کو دیکھ کر انہیں یہ اندازہ ہوا کہ شاید یہی اس کی خوراک

ہے مگر پھر وہ سوچنے لگے کہ اس کے پاس نہ تو ہاتھ ہے نہ پیر ہے اور نہ ہی آنکھیں آخر یہ ان پیالوں کو دیکھے گی کیسے اور اٹھا کر کھائے گی کیسے؟ ابھی ان کا ذہن ان سوالوں میں الجھا ہوا تھا کہ سامنے پہاڑی سے ایک بارونق سفید ریش بزرگ آتے ہوئے نظر آئے۔ آنے والے بزرگ نے ان پیالوں کو اٹھایا اور اس لومڑی کو پلا دیا وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس اسی پہاڑی کی طرف جانے لگے کہ اتنے میں وہ بزرگ جوان مناظر کو حیرت واستعجاب کے ساتھ ملاحظہ فرما رہے تھے آگے بڑھ کر ان سے سوال کرتے ہیں۔ جناب آپ کون ہیں اور کب سے اس خدمت پر مامور ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ایک فرشتہ ہوں جب سے یہ لومڑی اپاہج ہوئی ہے میرے ذمے یہ کام سونپ دیا گیا ہے میں ہر روز صبح و شام یہاں آتا ہوں اور اس لومڑی کو اس کا کھانا کھلا کر واپس چلا جاتا ہوں۔ اس بزرگ نے سوچا جب اللہ تعالیٰ اس انداز سے بھی رزق مہیا فرما دیتا ہے تو پھر بھلا مجھے روزی کی تلاش میں سرگرداں ہونے اور در در کی ٹھوکریں کھانے سے کیا فائدہ؟ میں بھی اگر اس پہاڑی پر بیٹھ کر اس کی عبادت میں لگ جاؤں تو وہ میرے کھانے کا انتظام بھی یہیں کر دے گا۔ یہ سوچ کر اسی کے قریب ایک چشمہ کے کنارے ذکر وفکر اور عبادت وریاضت میں مصروف ہو گئے۔ سات دن کا عرصہ گزر گیا مگر ان کے لیے کہیں سے کچھ بھی نہیں آیا بالآخر بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض گزار ہوئے۔

مولیٰ تیری مشیت پر قربان! بھوک سے جاں بلب ہو رہا ہوں کھانے کا انتظام فرما۔ ہاتف غیبی نے آواز دی! اے بھولے بھالے انسان اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دے اور روزی کی تلاش کر تجھے تیری محنت سے زیادہ عطا کروں گا۔ خود بھی اپنا پیٹ بھر اور غریب ومحتاج کو بھی کھلا۔ اگر تو اس انداز سے ستر سال بھی اس مقام پر بیٹھا رہے گا تو میں تجھ کو کھانے کا ایک دانہ بھی نہ دوں گا۔ ہاتف غیبی کے اس جواب نے کارخانہ قدرت کے اسرار ورموز سے پردہ ہٹا دیا ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہاں سے اٹھے اور تلاش رزق کے لیے چپ آگے نکل پڑے۔ (تذکرۃ الواعظین)

لمحۂ فکریہ: محترم حضرات گفتگو چل رہی تھی بزنس اور تجارت کے فضائل کے سلسلے میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ تجارت کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کے فوائد کتنے ہیں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود قوم مسلم تجارتی میدان میں بہت پیچھے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج مسلمانوں نے دینی اور دنیوی، سیاسی اور سماجی، معاشی واقتصادی ہر میدان میں اپنے اسلاف کی روشن تاریخ کو فراموش کردیا ہے۔ سستی اور تساہل کے شکار ہوگئے ہیں۔ محنت ومشقت سے جی چرانے اور اپنی عزت وعظمت سے غافل ہوگئے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محنت کرنے والے آگے نکل گئے اور اپنی اہمیت سمجھنے والے ہر محاذ پر قابض ہوگئے۔ قوم مسلم کے لیے یہ المیہ نہیں تو کیا ہے؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مسلمانوں کی غیرت وحمیت کب جوش میں آئے گی اور کب یہ اپنے تابناک ماضی کی روشنی میں روشن حال اور درخشاں مستقبل کی تعمیر کریں گے۔

اپنے ہاتھوں سے بنا تو بھی کوئی نقش عظیم
چشم حسرت سے کسی محل کی تعمیر نہ دیکھ

مگر میرے بزرگو اور دوستو! اس میں کوئی دورائے نہیں کہ تجارت بہت سودمند اور اچھی چیز ہے۔ مگر کب اور کس وقت؟ تجارت اسی وقت سودمند ہے جب کہ اسلامی دائرہ میں رہ کر کی جائے۔ آج تو عالم یہ ہے کہ اولاً مسلمان اس طرف دھیان ہی نہیں دیتے اور اگر کچھ خیال کرتے ہیں تو عام دنیاداروں ہی کی طرح تجارت کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسے اسلامی دستور کو سامنے رکھ کر تجارت کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوں۔

تجارت میں ملاوٹ: اگر تجارت میں ملاوٹ ہونے لگے تو اس سے دنیا تو سنور سکتی ہے۔ مگر آخرت تباہ ہوجائے گی۔

ابن محمود بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور بولا کہ ہم حج کی نیت سے آئے ہیں۔ راستے میں ہمارا ایک ساتھی انتقال کر گیا ہم نے اس کے لیے قبر کھودی تو لحد میں ایک کالے رنگ کا خوفناک سانپ نظر آیا مارے دہشت کے ہم نے وہ قبر بند کر دی اور دوسری کھودی وہاں بھی ویسا ہی سانپ دیکھنے کو ملا ہم نے اسے بھی اتفاق سمجھ کر تیسری جگہ قبر کھودی وہاں بھی وہی روح فرسا منظر دیکھنے کو ملا اب ہم خوف و دہشت اور حیرانی و پریشانی کے عالم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آخر ہم کیا کریں؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم سانپ کے پاس ہی اسے دفن کر دو۔ خدا کی قسم اگر تم ساری زمین بھی اس کے لیے کھود ڈالو گے تب بھی یہ سانپ تمہیں ضرور نظر آئے گا۔ چنانچہ ہم نے ایک قبر میں سانپ کے پاس ہی اسے دفن کر دیا۔ حج سے واپسی پر اس کی بیوی سے اس کے حالات معلوم کیے تو پتہ چلا کہ وہ آٹے کا تاجر تھا مگر آٹے میں لکڑی کا برادہ ملا کر بیچا کرتا تھا۔ (حیاۃ الحیوان)

اس واقعے سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ایک مسلمان کو اپنی تجارت میں بھی شریعت کی پاسداری ملحوظ رکھنی چاہیے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تجارت میں قسم کی کثرت سے پرہیز کرو۔ کیوں کہ یہ اگرچہ سامان کو بکوا دیتا ہے مگر برکت کو مٹا دیتا ہے۔ (بخاری مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا۔ اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا، اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ بلکہ ان کے لیے تکلیف دہ عذاب ہوگا وہ خائب وخاسر ہیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کپڑا لٹکانے والا۔ دے کر احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم کے ساتھ اپنا سودا بیچنے والا۔ (صحیح مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے تاجروں! اگر بیع میں لغو قسم شامل ہو جائے

تو اس کے ساتھ صدقہ ملالیا کرو۔ (ابوداؤد، ترمذی)

آج کل عام طور سے تجارت میں جھوٹ بولا جاتا ہے، ہمیں تجارت میں بھی اسلامی اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے اس حدیث شریف میں جہاں تجارت کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ وہیں جھوٹ اور مکر وفریب سے بچنے کی سخت تاکید بھی کی گئی ہے اور ان لوگوں کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے جو تجارت بھی کرتے ہیں اور یاد خدا سے غافل بھی نہیں ہوتے۔ جو تجارت بھی کرتے ہیں اور جھوٹ اور جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں ہونے دیتے۔ جو تجارت بھی کرتے ہیں اور دین کی مکمل پاسداری بھی کرتے ہیں جو تجارت بھی کرتے ہیں اور اپنے دین وایمان کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ۱۸، سورہ نور، آیت:۳۷)

اور وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے۔ (کنز الایمان)

وَاِذَا رَاَوْ تِجَارَةً اَوْ لَهْوَ اِنْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِماً (پ۲۸، جمعہ آیت ۱۱)

اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا اس کی طرف چل دیئے اور تمہیں خطبہ میں کھڑا چھوڑ گئے۔ (کنز الایمان)

پتہ چلا کہ جہاں تجارت ہوتی ہے وہاں شیطانی مکروفریب سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ شیطان طرح طرح سے تاجروں کو بہکانے کی کوششیں کرتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ۔

شیطان کے گدھے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک روز شیطان کو دیکھا کہ پانچ گدھے ہانکے لیے جاتا ہے۔ آپ نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ شیطان نے جواب دیا یہ میرا مال تجارت ہے میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا ذرا

یہ تو بتاؤ کہ آخر یہ مال ہے کیا؟ اس نے جواباً کہا ظلم، تکبر، حسد، خیانت، مکر، پھر اس نے ہر ایک کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ظلم تو میں بادشاہوں کے ہاتھ اور تکبر گاؤں کے نمبرداروں اور چودھریوں کے ہاتھ اور حسد قاریوں کے ہاتھ۔ خیانت تاجروں اور سوداگروں کے ہاتھ اور مکر عورتوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔ (نزہۃ المجالس ۹۲/۲)

پتہ چلا کہ شیطان اپنے شاگردوں اور چیلوں کے ذریعے دیانت دار تاجروں کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے اور خیالات ڈال کر ان کی محنت و مشقت کی کمائی سے خیر و برکت کو چٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی تجارت میں ایمانداری اور دیانتداری کا دامن تھامے ہوئے سعادتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔

یاد آخرت: صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت بے شک اچھی چیزیں ہیں، دینوی عیش و آرام اور اطمینان و سکون کے لیے ان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مگر ان چیزوں کے ساتھ یاد آخرت اور خوف خدا بھی انتہائی ضروری اور لازمی ہے بندۂ مومن کے لیے اگر دینوی راحت و آرام ضروری ہے تو اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنی آخرت کو کامیاب و کامران بنائے۔ کیوں کہ یہ دنیا تو سرائے فانی اور چندروزہ ہے۔ اسے خواہ کتنا ہی کیوں نہ حاصل کرلیا جائے۔ مگر آخرکار ایک نہ ایک دن اسے چھوڑ کر یہاں سے جانا ہی ہے۔ لہٰذا جہاں جانا ہے اور جہاں مستقل رہنا ہے۔ وہاں کی بھرپور تیاری ضروری ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بندوبست
مکن تکیہ برملک دنیا وپشت
کہ بسیار کس چوں تو پرورد وکشت

اے بھائی! دنیا کسی کے ساتھ نہیں رہی۔ اس لیے تو اپنا دل دنیا پیدا کرنے والے سے لگا دنیاوار اس کی سربراہی پر بھروسہ مت کر کیوں کہ اس دنیا نے تو تیرے

جیسے بہت سے لوگوں کو پالا اور مار ڈالا۔ اور کسی اردو شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ شہد یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
یہ دوست ہے وہ دوست مروت نہیں جس میں

اس لیے مسلمانوں کو دنیوی مشغولیت کے ساتھ یاد الٰہی اور خوف آخرت بھی ضروری ہے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو بچی سمجھ، اچھا جذبہ اور نیک عمل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسلام اور عیادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاِتْبَاعِهٖ اِلٰی یَوْمِ الْحَشْرِ. اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ. (پ۵ النساء آیت:۳۶)

اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور پاس کے ہم سائے اور دور کے ہم سائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے۔ (کنز الایمان)

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ وَالسَّلَامُ وَعِیَادَةُ الْمَرِیْضِ وَاِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ. (بخاری)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

رونق بزم علماء کرام سامعین عظام! آیئے سب سے پہلے ہم اور آپ مل کر نہایت ہی خلوص کے ساتھ انیس بے کساں چارہ ساز دردمنداں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پرانوار میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کریں۔

صَلَّ اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دیگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بیغمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی
محوِ تسبیح تو سب ہیں مگر ادراک کہاں
زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش کہاں
یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

حضرات! دنیا کی ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ اس میں ہر لمحہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ہر آن الٹ پھیر ہوتا رہتا ہے۔ انسان ماں کے شکم سے جنم لیتا ہے۔ شیر خوارگی کے ایام بسر کرتا ہے۔ بچپن کی زندگی گزارتا ہے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے۔ زندگی اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ بوڑھاپے کا سایہ پڑتا ہے اور ایک دن اس دنیا سے چل بستا ہے۔ سورج افق مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ مغرب کی گود میں میں روپوش ہوجاتا ہے۔ شام کی سیاہی پھیلتی ہے اور آہستہ آہستہ صبح کی سپیدی اسے اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے۔ کہیں پر خوشی و مسرت کے شادیانے بجتے ہیں اور کہیں پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں۔ غرضیکہ دنیا کے احوال مختلف اور متضاد کیفیات پر مشتمل ہیں۔ انہیں میں سے انسان کی صحت وتندرستی اور مرض وبیماری بھی ہے۔ انسان کبھی تندرست ہوتا ہے تو اپنی خداداد طاقت وقوت کے بل بوتے شیر کا پنجہ مروڑتے ہوئے بھی نہیں گھبراتا اور اگر کبھی بیمار ہوتا ہے تو پانی کا ایک چمچہ بھی منہ میں ڈالنے کی سکت نہیں جٹا پاتا ہے۔ پتہ چلا کہ دنیا کے احوال جامد وساکت نہیں بلکہ متحرک اور تغیر پذیر ہیں۔

برادران اسلام! اگر میری یہ تمہیدی گفتگو آپ کے ذہن نشیں ہوگئی ہے تو آیئے! اب میں آپ کو اسلام کے اعلیٰ ضابطۂ اخلاق سے روشناس کراؤں اور آپ کے سامنے اس حقیقت کو واضح کردوں کہ اسلام صرف اور صرف خوشی ومسرت میں ساتھ رہنے کی تعلیم نہیں دیتا، صحت وتوانائی کے زمانہ ہی میں دوش بدوش چلنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ راحت وآرام ہی کے دنوں میں قدم سے قدم ملا کر چلنے کا درس نہیں دیتا بلکہ اسلام جس طرح سے خوشی وشادمانی، صحت وتوانائی، راحت وآرام میں شریک بزم رہ کر کسی کی خوشی ومسرت میں چار چاند لگانے کی دعوت دیتا ہے اسی طرح سے بیماری وتنگ دستی کے ایام میں بھی بھرپور خبر گیری کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ اخوت وبھائی چارگی کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہے اور مسلمان ہر حال میں پرسکون زندگی بسر کرکے دنیا والوں کے لیے نمونۂ حیات بن سکے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان بیماری سے نفرت کرتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی خدا کی ایک نعمت ہے، جس پر صبر کرکے اللہ کی رحمت کا مستحق بننا چاہئے۔

بیماری بھی نعمت ہے : حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندۂ مومن بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ میرے بندے کے اعمال حسنہ اسی طرح لکھتے جاؤ جس طرح اس کی صحت وتندرستی کی حالت میں لکھتے تھے۔

دوسری حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جب بندۂ مومن یا مومنہ بندی بیمار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف چار فرشتوں کو بھیجتا ہے ان میں سے ایک فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس کی قوت لے لو تو وہ بحکم الٰہی اس کی قوت لے لیتا ہے اور وہ کمزور ہوجاتا ہے اور دوسرے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے منہ سے کھانے کی قوت لے لو اور تیسرے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے تمام گناہ لے لو تو وہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اسے تندرست کرنا چاہتا ہے تو ان فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اس کی لی ہوئی قوت اسے واپس کردو۔ مگر اس فرشتے کو جس نے اس کا گناہ لیا

ہے اسے گناہ واپس کرنے کا حکم نہیں دیتا کہ اسے واپس کردو تو وہ فرشتہ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوکر عرض کرتا ہے اے مولیٰ کریم! ہم چار فرشتے تیرے حکم کی تعمیل میں تھے تین فرشتوں کو تو اس کی لی ہوئی چیز کو واپس کرنے کا حکم دے دیا مگر مجھے حکم کیوں نہیں دیا تاکہ میں اس کے گناہوں کو واپس کردوں تو اللہ رب العزت نہایت ہی رحم وکرم کے ساتھ اس فرشتہ سے فرماتا ہے کہ میری شان رحمت کو یہ شایاں نہیں کہ میں اس کے گناہوں کو واپس کروں۔ باوجود یہ کہ میں نے اس کی جان کو مرض کی تکلیف میں مبتلا کیا۔ تب وہ فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب کریم! اب میں ان گناہوں کو کیا کروں؟ اللہ رب العزت فرماتا ہے تم جا کر انہیں دریا میں ڈال دو۔ یہ سن کر فرشتہ انہیں دریا میں ڈال دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان گناہوں سے دریا میں کیڑے مکوڑے پیدا فرما دیتا ہے اور اگر مریض آخرت کی طرف کوچ کر جاتا ہے تو وہ دنیا سے گناہوں سے پاک ہوکر نکلتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رات دن کا بخار سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ (المواعظ العصفوریہ ترجمہ اردو نورانی مواعظ، ص-۷۵)

بیمار دامن رحمت میں: انسان بیماری کی حالت میں اگر آہ وفغاں، جزع وفزع اور چیخ وپکار کی بجائے اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو اور اپنے حق میں مغفرت کی دعا کرے تو یہ اس کے لیے بہت بہتر ہے، کیوں کہ بیماری کی حالت میں اللہ کی رحمت خصوصی طور پر بندوں پر متوجہ ہوتی ہے۔ سخت سے سخت گنہگار اور بڑے سے بڑے فاسق کو بھی اس کی رحمت اپنے دامن کرم میں جگہ عطا کرتی ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک فاسق وفاجر شخص تھا۔ ہزارہا کوششوں کے بعد بھی وہ اپنی بری حرکتوں سے باز نہیں آتا تھا شہر کے لوگ اس کی حرکتوں سے سخت پریشان اور مصیبت میں مبتلا تھے یہاں تک کہ شہر کے باشندوں نے بڑی عاجزی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ مولیٰ! ہمیں اس بدکار کی نحوست سے محفوظ فرما۔ اس وقت اللہ تعالیٰ

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ فلاں شہر کے فلاں محلہ میں بنی اسرائیل کا ایک فاسق نوجوان ہے جس سے پورے شہر کے لوگ پریشان ہیں اسے اس شہر سے نکال باہر کریں۔ تا کہ ان پر عذاب نہ آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لائے اور اس نوجوان کو شہر سے باہر نکال دیا وہ نوجوان شہر چھوڑ کر ایک بستی میں چلا گیا خدا کے حکم سے اسے اس گاؤں سے بھی نکال دیا گیا۔ اب وہ نوجوان لوگوں کی آبادی سے نکل کر جنگل بیابان میں ایک ایسی جگہ پناہ گزیں ہوا جہاں نہ کوئی انسان تھا اور نہ کوئی چرند و پرند۔ کچھ دنوں بعد وہ وہاں بیمار پڑ گیا۔ اب اس کے پاس کوئی اس کی مدد کرنے والا نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ بے قابو ہو کر زمین پر گر گیا۔ زمین پر پڑے پڑے بیماری کی حالت میں اپنے رب کی بارگاہ میں عرض گزار ہوا۔

مولیٰ! اگر میری والدہ میرے پاس ہوتی تو وہ مجھ پر شفقت کرتی میری اس زبوں حالی پر آنسو بہاتی اور اگر میرے والد میرے پاس ہوتے تو میری مدد کرتے مجھے نہلاتے اور کفناتے اور اگر میری بیوی میرے پاس ہوتی تو میری جدائی پر روتی اور غم کا اظہار کرتی اور اگر میرے اولاد ہوتی تو میرے جنازے کے پیچھے روتے اور دعا کرتے کہ اے خدا! ہمارے غریب الوطن، کمزور گنہگار اور فاسق باپ کو بخش دے، جسے ایک شہر سے دوسرے شہر پھر شہر سے گاؤں کی طرف پھر گاؤں سے بیابان کی طرف نکال باہر کیا گیا۔ اور دنیا سے آخرت کی طرف ہر چیز سے مایوس ہو کر نکلا ہے۔ مگر تیری رحمت سے مایوس نہیں ہے۔ پھر اس نے شکستہ دل ہو کر دعا کی اے خدا اگر تو نے مجھے میری والدہ، میری اولاد اور میری بیوی سے جدا کیا تو اب مجھے اپنی رحمت سے جدا نہ کرنا اور ان کی جدائی کے ساتھ میرے دل کو نہ جلانا اور اپنی آگ سے مجھے میری معصیت کی وجہ سے نہ جلانا اس کا اتنا عرض کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حور کو اس کی ماں کی صورت میں اور ایک حور کو اس کی بیوی کی صورت میں اور غلمان کو اولاد کی صورت میں اور فرشتہ کو اس کے باپ کی صورت میں اس کے پاس بھیجا، وہ سب اس کے پاس بیٹھ کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ گویا وہ اس کی اولاد، اس کی بیوی، اس

کی ماں اور اس کا باپ سب اس کے پاس موجود ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ جوان خوش ہو گیا اور اس نے کہا اے خدا! اپنی رحمت سے مجھے جدا نہ کرنا، بیشک تو ہر شئے پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف پاک و مغفور ہو کر چلا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ فلاں بیابان میں فلاں جگہ جاؤ وہاں ایک شخص مر گیا ہے جو میرا ایک دوست ہے تم اسے غسل و کفن دے کر اس پر نماز پڑھو۔ جب موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پہنچے تو اسی نو جوان کو وہاں دیکھا جسے شہر اور گاؤں سے بحکم الٰہی باہر نکالا تھا اور ایک حور عین کو دیکھا کہ اس پر رو رہی ہے یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے مالک و مولیٰ! کیا یہ وہی فاسق نو جوان نہیں جسے میں نے تیرے حکم سے شہر پھر گاؤں سے نکالا تھا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں اے موسیٰ! یہ وہی گنہگار نو جوان ہے لیکن میں نے اس پر رحم فرمایا ہے اس کے بیمار ہونے کی حالت میں اس کے وطن، والدین، اولاد اور اپنی بیوی سے جدائی اور دوری کے سبب میں نے اسے درگزر کیا ہے اور میں نے حور عین کو اس کی ماں اور بیوی اور فرشتہ کو اس کے باپ کی صورت میں اس کے پاس بھیجا تھا تا کہ وہ اس کی غریب الوطنی میں اس پر شفقت و محبت اور ہمدردی کا اظہار کریں اور جب وہ بے وطن فوت ہوا تو تمام آسمان و زمین والے اس کی شفقت میں آنسو بہائے ہیں۔ تو میں اس پر کیسے رحمت نہ کرتا جب کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔

معلوم ہوا کہ حالت بیماری کی دعا بہت جلد مقبول ہوتی ہے۔ نیز حدیث پاک میں ہے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو مریض کے پاس جائے تو اس سے کہہ کر تیرے لیے دعا کرے کہ اس کی دعا دعائے ملائکہ کی طرح ہے۔ (ابن ماجہ)

عیادت کی فضیلت: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کی اہمیت و فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ

اللّٰہ تَعالیٰ یَقُولُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِی قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّکَ لَوْعُدْتَہٗ لَوَجَدْتَنِیْ عِنْدَہٗ یَا ابْنَ آدَمَ اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ رَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُکَ اِلیٰ اٰخر الحدیث۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں سے فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی بندہ کہے گا خداوند! تو رب العالمین ہے میں تیری کس طرح عیادت کرتا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ دیا بندہ کہے گا مالک ومولیٰ تو رب العالمین ہے میں تجھے کس طرح کھانا دیتا۔ الی آخرہ۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ بیمار کی عیادت میں رب تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی پوشیدہ ہے۔ مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگوں کی غمخواری اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا جو مسلمان صبح کے وقت کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اگر شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے ایک باغ مقرر کیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کر کے ثواب کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جائے وہ جہنم سے ساٹھ برس کی راہ دور کر دیا گیا۔ (ابوداؤد)

عیادت کرنے والا رحمت خدا میں: خدا کی رحمت کا حاصل

ہونا بڑی سعادت کی بات ہے۔ مریض کی عیادت و مزاج پرسی ایک ایسا ہی ایمان افروز عمل ہے جس کے ذریعہ انسان رحمت خداوندی کو حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مریض کی عیادت کے لیے جاتا ہے۔ وہ دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا ہے اور جس وقت وہ مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا ہے۔

ان فضائل و برکات کے مدنظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عیادت کا اسلامی طریقہ بتادیا جائے تاکہ اس پر عمل کر کے دنیوی معاملات و تعلقات کو وسیع اور آخرت میں حسنات میں اضافہ کیا جاسکے۔

عیادت کا مسنون طریقہ: عیادت کے لیے جب کسی کے گھر جائے، یا اسپتال جائے تو راستہ میں ادھر ادھر نہ دیکھے درود شریف پڑھ کر گفتگو کی شروعات کرے مریض اور اس کے رشتہ داروں کو اطمینان و سکون کی تلقین کرے۔ تسلی آمیز کلمات سے مریض کا دل خوش کرنے کی کوشش کرے۔ حدیث رسول ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذَالِكَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَ یَطِیْبُ بِنَفْسِهٖ (ابن ماجه)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی مریض کی عیادت کے لیے جاؤ، تو اس کی زندگی سے غموں کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ اس سے تقدیر تو نہیں بدلے گی لیکن بیمار کو مسرت ہوگی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کی عیادت کو تشریف لے گئے اور عادت کریمہ تھی کہ جب کسی کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے۔ لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰهُ، یعنی کوئی حرج کی بات نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مرض گناہوں سے پاک کرنے والا ہے۔ اس اعرابی سے بھی یہی فرمایا۔

ابوداؤد وترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کو جائے تو سات بار یہ دعا پڑھے۔

اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمِ رَبَّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ اَنْ يَّشْفِيَكَ.

عرش کریم کے مالک بزرگ وبرتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا عطا کرے۔ اگر موت نہیں آئی تو اسے شفا مل جائے گی۔

نورانی خواب: ایک مرتبہ اللہ کے ایک ولی بیمار پڑ گئے۔ خود انہیں کا بیان ہے کہ جب میرا مرض شدت پکڑ گیا اور لوگ میری زندگی سے ناامید ہو گئے ایسے عالم میں میں نے جمعہ کی رات میں ایک خواب دیکھا کہ ایک نورانی وجود میرے سامنے جلوہ گر ہوا۔ یہاں تک کہ میرے سرہانے تشریف فرما ہو گیا۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے لوگ میرے غریب خانہ میں داخل ہوئے حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جب داخل ہو رہے تھے تو پرندوں کی طرح لگ رہے تھے مگر جب بیٹھتے تو انسانوں کی شکل اختیار کر لیتے۔ یہ لوگ اندر آتے رہے اور میں حیرت کا مجسمہ بنا انہیں دیکھتا رہا۔ جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس نورانی وجود نے اپنے لب ہائے مبارک کھولے اور ارشاد فرمایا۔ میں اس شہر میں تین آدمیوں کی عیادت کے لیے آیا ہوں۔ ایک تو اس کی عیادت کے لیے اشارہ میری طرف فرمایا۔ دوسرے "صالح خلقانی" کے لیے میں نے اس سے پہلے کبھی حضرت صالح خلقانی کا نام نہیں سنا تھا اور تیسرے ایک عورت کے لیے فرمایا اور اس عورت کا نام نہ لیا۔ بعدہ اپنا دست مبارک میری پیشانی پر رکھ کر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّيَ اللّٰهُ وَحَسْبِيَ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

اور پھر مجھ سے فرمایا یہ دعا اکثر پڑھتے رہا کرو، کیوں کہ اس میں ہر مرض کی شفا ہے اور ہر مشکل کا حل موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنا عرش مقدس اٹھانے کا حکم

فرشتوں کو دیا تو سب سے پہلے انہیں فرشتوں نے یہ دعا پڑھی تھی اور آج تک یہی دعا پڑھ رہے ہیں اور قیامت تک یہی پڑھتے رہیں گے۔ پھر اس نورانی شخصیت کی دائیں طرف جو صاحب تشریف فرما تھے۔ وہ بولے۔

یا رسول اللہ! اگر یہ دعا دشمن کے مقابلے میں پڑھی جائے تو؟ آپ نے جواب دیا۔ دشمن پر فتح حاصل ہوگی۔ اب میں سمجھا کہ یہ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور داہنی طرف والے صاحب جنہوں نے یہ سوال کیا۔ میں نے سمجھا شاید یہ صدیق اکبر ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ میرے چچا حضرت حمزہ ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بائیں جانب اشارہ فرما کر فرمایا یہ سب شہداء ہیں۔ پھر اپنے پیچھے اشارہ فرما کر فرمایا یہ سب اولیاء ہیں۔ پھر آپ تشریف لے گئے اور جب میں جاگا تو بالکل تندرست تھا۔ جیسے کہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوا۔ (روض الریاحین لامام عبداللہ بن اسعد یافعی مطبوعہ مصر ۱۸۸)

محترم بزرگو اور نوجوان ساتھیو! عیادت و تیمارداری پر اسلام نے جو اتنا زور دیا ہے یہ اس کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کا ایک حصہ اور درس محبت کا ایک جز ہے۔ آج مسلم معاشرہ سے یہ چیزیں اٹھتی جارہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرہ روز بروز انتشار و بدنظمی کا شکار ہوتا چلا جارہا ہے، ہر طرف خود غرضی اور مطلب پرستی کا دور دورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اخلاق حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس لیے میں نہایت ہی پرخلوص دل سے آپ حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ اسلام کی روشن تعلیمات کو اپنے دلوں میں جگہ دیں اور ان پر عمل پیرا ہوکر اسلام کی حقانیت وصداقت کا پرچم اپنوں کے علاوہ غیروں کے دلوں پر گاڑ دیں۔

اک شجر ایسا محبت کا لگایا جائے
جس کا ہم سایہ کے آنگن میں بھی سایہ جائے

دعا ہے کہ پروردگار عالم اسلامی تعلیمات کی ضیاء پاشیوں سے تاریک دلوں کو منور و مجلی فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسلام اور ایثار وہمدردی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ الْمُجْتَبٰی وَاَصْحَابِہٖ الْمُرْتَضٰی۔ اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ (پ۲۸: الحشر، آیت: ۹)

اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیں گے اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ (کنز الایمان)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ۔ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔

بزرگان ملت ونوجوانان اہل سنت! کچھ عرض ومعروض سے قبل نہایت ہی جوش وخروش اور ادب واحترام کے ساتھ نور مجسم، رحمت عالم، فخر آدم وبنی آدم کی بارگاہ باوقار میں درود وسلام کا گلدستہ محبت پیش کریں۔

اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ

تجھ کو اے قوم بہر حال سنبھلنا ہوگا
وقت بدلا ہے تجھے خود کو بدلنا ہوگا
جس میں ڈھلتے تھے کبھی خالد وضرار وحسین
پھر اسی دین کے ماحول میں ڈھلنا ہوگا
اپنے ناموس ومساجد کے تحفظ کے لیے
باندھ کے سر سے کفن گھر سے نکلنا ہوگا
پھر اٹھے جاتے ہیں عالم میں یزیدی فتنے
عزم شبیر لیے ہم کو نکلنا ہوگا

آج بظاہر پورا معاشرہ چمک دمک رہا ہے لائٹ کی فراوانی نے شہروں کے ساتھ ساتھ گاؤں کی گلی کوچوں کو بھی بقعہ نور بنادیا ہے۔ فاصلے مٹ چکے ہیں اور دوریاں سمٹ چکی ہیں۔ کائنات اپنی کشادگی کے باوجود ہاتھ کی ہتھیلی پر دیکھی جاسکتی ہے۔ سائنس کی ان حیرت انگیز ترقیوں نے دنیا کو تہلکہ خیز ہنگاموں سے دوچار کردیا ہے۔ بلاشبہ باہر کی دنیا روشن و تابناک ہو چکی ہے، لیکن انصاف کی نظر سے اگر دیکھا جائے تو دل کی دنیا اس سے کہیں زیادہ تیرہ و تاریک ہو چکی ہے۔ اخلاق و مروت عنقا ہو چکے ہیں۔ الفت و محبت کو دور ہی سے سلام کیا جانے لگا ہے۔ قرابت داری کی چاشنی، مفاد پرستی کی نذر ہوگئی۔ دولت ثروت کی ریل پیل نے اخلاقی قدروں کو پامال کردیا۔ زراندوزی کی ہوس نے چین وسکون کا نام ونشان مٹادیا۔ خودغرضی و مفاد پرستی نے ایثار و قربانی اور ہمدردی و بھائی چارگی کا تصور ہی ختم کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج انسان پھل پھول رہا ہے۔ مگر انسانیت سسک رہی ہے۔ انسان مسرت و شادمانی کے جھولے میں جھول رہا ہے۔ مگر انسانیت کراہ رہی ہے۔ آدمی بظاہر ترقی کررہا ہے۔ مگر آدمیت پستی کے گہرے غار میں گرتی جارہی ہے۔

آج کل روشنی نے کر دکھائے کام دو
گھر کو روشن کردیا دل میں اندھیرا کردیا

حضرات! موجودہ دور میں خودغرضی اور مفاد پرستی کے دیمک نے عام انسانوں کی طرح مسلمانوں کو بھی اندر سے کھوکھلا کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے سماج کی بنیاد لڑکھڑاتی نظر آرہی ہے۔ حضرات! یہ بات اچھی طرح سے دل کی تختی پر نوٹ کرلی جائے کہ وہ قوم کبھی بھی شاہراہ ترقی پر گامزن نہیں ہوسکتی جو قوم قوم و برادری کے نام پر بڑائی کی عادی حسب و نسب پر تعلّی کی خوگر اور ایثار و قربانی کے جذبہ سے خالی ہو۔ بقول اقبال۔

جو کرے گا امتیاز رنگ وخون مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو اعرابی والا گہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اڑگیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گذر

حضرات! قوم مسلم کے عروج وزوال کی تاریخ کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ خیر القرون کے مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی خوبیاں پائی جاتی تھیں وہیں ان میں ایثار وقربانی اور قومی فلاح و بہبود کے لیے مرمٹنے کا جذبہ بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اخلاص ومحبت اور ایثار وقربانی کی جو داستان صفحہ تاریخ پر رقم کی ہے اس کی مثال سے موجودہ انسانی تاریخ کا دامن یکسر خالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت تھوڑے سے عرصے میں ہر چہار جانب پھیلتے چلے گئے۔ انہوں نے جدھر رخ کیا فتح وکامرانی نے ان کے قدموں کا بوسہ اور انسانی آبادی نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

اپنی تاریخ کو جو قوم بھلا دیتی ہے
صفحہ دہر سے وہ خود کو مٹا دیتی ہے

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایثار: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابیہ ایک خوش نما چادر لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض گذار ہوئیں کہ میں نے حضور کو پہنانے کے لیے یہ چادر اپنے ہاتھوں سے تیار کی ہے۔ حضور نے اسے قبول فرما کر پہن لیا تھوڑی دیر بعد آپ مسجد میں تشریف لائے تو ایک صاحب نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ چادر مجھے عنایت فرمادیجئے۔ آپ نے فوراً وہ چادر انہیں عنایت فرمادی حالانکہ اس وقت خود آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ (بخاری شریف)

یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایثار وقربانی کا ادنیٰ نمونہ۔

صحابۂ کرام کے جذبۂ ایثار کی جھلک: حضرت ابوجہم بن حذیفہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا

اور احتیاطاً پانی کا ایک مشکیزہ اپنے ساتھ لے لیا تا کہ انہیں اگر پانی کی ضرورت ہو تو فوری طور پر انہیں پانی پیش کر سکوں۔ اتفاقاً ایک مقام پر مجھے میرا بھائی اس حال میں ملا کہ بس اب دم نکلنے والا ہے۔ میں نے اس سے پانی کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اتنے میں قریب ہی سے کراہنے کی آواز آئی۔ ہم لوگوں نے ادھر نگاہ دوڑائی تو پتہ چلا کہ وہ صاحب بھی جاں بلب ہوئے جا رہے ہیں میرے چچازاد کو اس مردِ مجاہد کی چیخ اپنے زخم سے کہیں شدید محسوس ہوئی اس نے مجھے اشارہ سے ان صاحب کے پاس جانے کے لیے کہا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا تو پتہ چلا کہ یہ ہشام ابن ابی العاص ہیں ان کے پاس ابھی پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ہی ایک تیسرے صاحب کی آہ سنائی دی ہشام نے مجھے اس کے پاس جانے کا حکم دیا۔ جیسے ہی میں پانی پلانے کے لیے ان کے پاس پہنچا تو یہ دیکھ کر مجھے سخت افسوس ہوا کہ ان کے جسم سے روح پرواز کر چکی ہے۔ میں واپس پلٹ کر ہشام کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ان کی روح بھی جسم کو خیر باد کہہ چکی ہے اب میں جلدی سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا تو پتہ چلا کہ اس کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ایثار و قربانی کا یہ روح پرور جذبہ صرف چند افراد یا مخصوص طبقہ میں نہ تھا بلکہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد اس جذبہ سے سرشار تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے گھر بکرے کی سری بھیجی انہوں نے یہ سوچا کہ فلاں شخص کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے انہوں نے یہ سری ان کے یہاں بھیج دی انہوں نے سوچا یہ اگرچہ میری ضرورت کی چیز ہے مگر مجھ سے زیادہ ضرورت فلاں شخص کو ہے کیوں کہ اس کے اہل و عیال زیادہ اور کنبہ بڑا ہے اس طرح وہ سری تیسرے شخص کے پاس پہنچ گئی انہوں نے اپنے کسی ملنے والے کو اپنے سے زیادہ ضرورتمند سمجھا لہٰذا اس کے یہاں بھیج دی۔ مختصر یہ کہ وہ ایک سری سات آدمیوں کے

گھر گئی ہر ایک نے دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھا۔ یہاں تک کہ سات آدمیوں کے پاس جانے کے بعد پھر لوٹ کر پہلے شخص کے یہاں آ گئی۔

(روح البیان ۴/۲۸۹)

یہ ہے اسلام کے ان سرفروش سپوتوں کی حیرت انگیز تاریخ جن کے وجود سے گلستان اسلام میں بہار آئی اور اسلام کی کھیتی ہری بھری ہوئی۔

حضرات! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اخوت و محبت اور ایثار و قربانی کا جوہر جس شخص کے پاس ہوگا وہ ضرور ترقی کرے گا۔ جس معاشرہ میں ہوگا وہ معاشرہ ترقی کرے گا۔ جس سماج کے اندر ہوگا وہ سماج ترقی کرے گا۔ جس ملک کے امرار و حکام کے اندر ہوگا وہ ملک ترقی کرے گا۔ اگر دنیاوی اسباب کے حصول کے لیے اس کا استعمال کیا جائے تو اس میں ترقی ملے گی اور اگر دینی مقاصد کے حصول میں انہیں کام میں لایا جائے تو وہاں ترقی ہوگی۔ اگر مسلمان اس نسخہ کو اپنائے تو مسلمان شاہراہ ترقی پر گامزن ہوگا اور اگر کوئی دوسرا ان خوبیوں کو اپنائے تو وہ بلندیوں کو چھوتا نظر آئے گا۔

جذبۂ ایثار کی دینی اہمیت: مشہور فقیہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ ایک سال حج سے فارغ ہونے کے بعد میں خانۂ کعبہ میں سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آپس میں باتیں کر رہے ہیں ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اب کی حج کس قدر لوگوں نے کیا اور کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا اس نے جواب دیا کہ چھ لاکھ آدمیوں نے حج کیا مگر کسی کا حج قبول نہیں ہوا اور دمشق میں ایک موچی علی بن موفق ہے گو وہ حج کرنے نہیں آیا۔ لیکن اس کا حج مقبول ہوا اور اسی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ نے تمام حاجیوں کو بخش دیا۔ آپ کو یہ باتیں سن کر تعجب ہوا، بیدار ہو کر اس موچی کی زیارت کے لیے دمشق روانہ ہوئے اس کے مکان پر پہنچ کر ملاقات کی اس کا نام اور نسب اور واقعۂ حج دریافت کیا اس نے اپنا نام بتایا اور کہا میں جوتا ٹانکتا ہوں پھر اس نے میرا نام پوچھا میں نے اپنا نام بتایا اس نے ایک چیخ

ماری اور بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو اس نے اپنا واقعہ یوں بیان کرنا شروع کیا کہ ایک زمانہ سے مجھے حج کا شوق ہے۔ بہت محنت و مشقت کے بعد میں نے تین سو درہم جمع کئے تھے اور اس سال حج کرنے کا مکمل ارادہ تھا۔ ایک دن ہمسایہ کے گھر سے کھانے کی بو آئی میری بی بی نے کہا دیکھو! آج اس کے یہاں کیا پکا ہے؟ تھوڑا لے آؤ ہم بھی کھالیں گے۔ میں گیا اور صاحب خانہ سے کہا جو تم نے پکایا ہے تھوڑا اس میں سے مجھے دو۔ اس نے کہا بھائی! آج جو میں نے پکایا ہے تمہارے کھانے کے لائق نہیں ہے۔ سات دن سے مجھ پر اور میرے اہل وعیال پر متواتر فاقے گزر رہے ہیں۔ آج میں نے مرا ہوا گدھا ایک مقام پر پڑا دیکھا اس کا گوشت کاٹ لایا اور اسی کو پکایا ہے۔ ان کی یہ حالت سن کر خوف الٰہی سے میرا دل کانپ اٹھا اور جو دینار میں نے جمع کئے تھے انہیں دے دیے اور کہا کہ ایک مسلمان کا فائدہ ہونا میرے لیے حج کے برابر ہے۔ (تذکرۃ الاولیا: ص ۱۵۶)

جذبۂ ایثار اور دنیوی سرخروئی: یہ اس وقت کی بات ہے جب رومیوں کا ستارۂ اقبال بلندی کی طرف مائل تھا۔ رومیوں نے بحری قوت میں اپنے آپ کو اہل قرطاجنہ کے مقابل کمزور دیکھ کر جہازوں کا ایک نیا بیڑا بنوایا اور رومیوں کا ایک زبردست افسر ریگولس، اس بیڑے کو لے کر قرطاجنہ کے افریقی سواحل پہ اترا۔ ریگولس نے وہاں پہنچ کر دشمنوں کو کئی شکستیں دیں۔ اتنے میں اس کی مدت ملازمت ختم ہوگئی۔ اس نے رومی حکومت کو ریٹائرمینٹ کی درخواست بھیج دی۔ مگر حکومت نے اس کی درخواست منظور نہیں کی۔ اتفاقاً ان دنوں یونان کے پہلوانوں کے نامی شہر اسپارٹا کا ایک شخص قرطاجنہ والوں کی ملازمت میں آگیا۔ اس نے ایسی بہادری اور دانائی سے مقابلہ کیا کہ رومیوں کو شکست ہوئی اور ریگولس اہل قرطاجنہ کے ہاتھوں اسیر ہوگیا۔ مگر اسپارٹا کا وہ بہادر جس نے قرطاجنہ والوں کا مقدر بدل کر رکھ دیا تھا۔ ان کی بدسلوکی سے ناراض ہوکر چلا گیا۔ اب قرطاجنہ والوں نے رومیوں سے صلح کی ضرورت محسوس کی ریگولس ایک زمانہ سے ان کے ہاتھ

میں اسیر تھا ہی، اسے چند مفید شرائط کے ساتھ رومتہ الکبریٰ روانہ کیا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ اہل روم اگر ان شرطوں پر راضی نہ ہوئے تو بلا تاخیر ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

رے غولوس دارالسلطنت رومہ کی دیواروں کے نیچے پہنچا اگر چہ رومیوں نے اس کے استقبال میں بڑی گرم جوشی دکھانے کا ارادہ کیا تھا مگر اس نے شہر کے اندر داخل ہونے سے قطعاً انکار کر دیا۔ اور کہا "نہ میں پہلے کی طرح مجلس حکمرانی کا رکن ہوں اور نہ ہی کسی بڑے عہدے دار کا ہم منصب ہوں، میں دراصل اہل قرطاجنہ کا غلام ہوں، لہٰذا شہر میں نہ داخل ہوں گا"۔

آخر مجلس حکومت نے اس کا بیان سننے کے لیے شہر کے باہر ہی اجلاس کا اہتمام کیا۔ اور ان کے سامنے رے غولوس نے جو تقریر کی وہ اس کے ذاتی مقاصد کے بالکل ہی خلاف تھی۔ اس نے کہا۔

"آپ لوگوں کو لڑائی پر استقلال سے قائم رہنا چاہیے۔ قرطاجنہ والوں میں یہ کمزوریاں ہیں اور ان میں آپ لوگوں سے مقابلہ کرنے کا دم نہیں۔ اپنے قومی مقاصد و منافع کے سامنے آپ میرے بچانے کا ذرا بھی لحاظ نہ کیجئے کیونکہ مجھ سا ایک بوڑھا آدمی جو آئندہ آپ کے کسی کام نہیں آسکتا۔ اگر بچ بھی گیا تو کیا؟ اسیروں کا تبادلہ اس کا بھی آپ خیال نہ کریں، کیونکہ اس میں آپ ہی ہر طرح گھاٹے میں رہیں گے۔ آپ کا اکیلا ایک اسیر ان کے ہاتھ میں ہے اور اس کے مقابل ان کے کم از کم تیرہ سپہ سالار آپ کی قید میں ہیں۔

روم کی مجلس حکومت صلح پر آمادہ تھی مگر صرف رے غولوس کے اصرار سے انہیں اپنی مرضی کے خلاف سلسلۂ جنگ قائم رکھنے اور صلح سے انکار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ آخر ان لوگوں نے رے غولوس کو مشورہ دیا کہ تم حلف کا خیال نہ کرو اور گھر جا کر بیوی بچوں میں ٹھہرو۔ خود ہی جا کے زنجیر پہن لینا اور موت کے منہ میں چلے جانا۔ کون سی عقلمندی ہے۔ مگر اس دیانتدار سردار نے اس بات کو قبول کرنے سے قطعاً انکار

کردیا۔ پیاری بیوی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہاتی ہوئی آئی لپٹ لپٹ کر کہنے لگی ''اگر اپنے اوپر ترس نہیں کھاتے تو کم از کم ہمارے حال پر ترس کھاؤ، بچے روتے ہوئے آئے اور باپ کے قدموں سے لپٹ کر کہنے لگے۔'' ہماری یتیمی اور بے کسی کا خیال کیجئے۔ مگر رے غولوس نے ایک نہ سنی اور ثابت کردیا کہ اسے اپنے قول کو پورا کرنا اور اپنے وطن کی حمایت کرنا ہے یہ بات خود اسے اپنی جان، اپنی تمام خواہشوں اور اپنی بیوی بچوں سب سے زیادہ عزیز تھی۔ چنانچہ وہ شہر میں داخل ہوئے بغیر دشمنوں کے پاس واپس چلا گیا۔ قرطاجنہ والے صورت دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ ناکامی کی خبر لایا ہے اس لیے جھنجھلا اٹھے اور بغیر کچھ پوچھے ہوئے رے غولوس کو طرح طرح کی اذیت اور تکلیفیں دے کر مار ڈالا۔ مگر اس کی ناموری، عظمت اور اس کی عزت وحرمت ابدی چیزیں ہیں جو کبھی نہیں مریں گی۔ اس کے بعد قرطاجنہ والوں کو دب کے اور ایسی شرطوں پر جو رومیوں کے مقاصد کے زیادہ موافق تھی صلح کرنی پڑی۔ دراصل یہی صلح اور رے غولوس کی یہی کارروائی تھی جس نے آخر کار قرطاجنہ کو ایسا تباہ وبرباد کیا کہ اس کا نام ونشان بھی دنیا سے مٹ گیا۔ (بہادروں کے کارنامے)

یہودیوں کا صدیوں سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس کا پلہ بھاری دیکھتے ہیں اسی کے دامن سے چپک جاتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں برطانیہ دنیا کا سپر پاور تھا۔ اس لیے یہودی لابی اسی کا دم چھلا بنی ہوئی تھی۔ اسی درمیان ایک یہودی سائنس داں مسٹر ویزمین نے ایک ایسا آتش گیر مادہ بنا ڈالا جس سے برطانیہ کی فوجی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ برطانوی حکومت مسٹر ویزمین کے کارنامہ سے متاثر ہو کر اسے انعام سے نوازنے پر آمادہ ہوگئی۔ دنیا کی سپر پاور جب حکومتی سطح پر کسی کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کرتی تو بھلا کس پیمانے پر کرتی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں مگر نگاہ عبرت سے دیکھئے ویزمین کا جذبۂ عقیدت اس نے اپنے ذاتی مفاد کو قوم کی عزت وعظمت پر قربان کردیا۔ اس نے بھرے دربار میں حکومت کے اہل کاروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ حکومت اگر میری دلجوئی کرنا چاہتی ہے تو میری یہ خواہش ہے

کہ حکومت برطانیہ یروشلم کی بازیابی کے سلسلے میں یہودیوں کی مدد کرے۔ چنانچہ اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم مسٹر لائیڈ جارج نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ریاست اسرائیل کے قیام واستحکام میں برطانیہ کی دلچسپی دراصل آتش گیر مادہ ایجاد کرنے والے یہودی سائنس داں کی خواہش کا احترام ہے۔

آج برطانیہ تمام انسانی حقوق پامال کر کے جس طرح سے اسرائیل کی ناجائز اور غیر اخلاقی وغیر قانونی حمایت کر رہا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ برطانیہ ایک تیر سے دو شکار کر رہا ہے۔ ایک طرف تو عرب اور اسلام کو تباہ کرنے کے منصوبے پر عمل کر رہا ہے اور دوسری طرف اپنے محسن کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے اور جذبۂ ایثار کی کرشمہ سازی دیکھئے۔ مغل بادشاہ شاہ جہاں کی صاحبزادی جہاں آرار کے جلنے کی خبر دور دراز تک پھیل گئی۔ بڑے بڑے اطباء حاضر ہوئے مگر حسب منشاء دوا کا اثر ظاہر نہ ہوا۔ ایک روایت کے مطابق شاہجہاں نے اپنی صاحبزادی کے علاج کی خاطر سورت سے ایک انگریز ڈاکٹر بارٹن کو بلوایا۔ اس کے علاج سے شاہزادی کو کافی فائدہ ہوا۔ مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے بعد شاہ جہاں نے جب بارٹن کو انعام دینا چاہا تو اس نے مجمع عام میں کہا کہ اگر بادشاہ مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں تو بجائے مجھے کچھ دینے کے میرے ہم وطنوں کو ہندوستان میں تجارت کرنے کی عام اجازت مرحمت فرمادیں۔ میرے لیے یہی سب سے بڑا انعام ہے۔ بادشاہ چونکہ شاہزادی کی صحت یابی کی وجہ سے حد درجہ مسرور تھا۔ اس لیے اس نے انجام پر غور کیے بغیر انگریزوں کو پورے ہندوستان میں تجارت کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ خاص مراعات بھی عنایت کر دی۔

حضرات! اس عیسائی ڈاکٹر نے اپنے ذاتی مفاد کو قوم کے فائدے پر قربان کر دیا۔ جس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ پورے ہندوستان پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔

حضرات! یہ تمام حقائق وواقعات ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ اگر کوئی قوم ترقی وخوش حالی کے خواب، عزت وعظمت کے حصول کی جدوجہد اور سرداری

دسربراہی کی آرزو کرتی ہے تو ضروری ہے کہ پہلے اپنے پیروکاروں کے اندر ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کرے قوم کی خواہش پر اپنی خواہشات کا گلا گھونٹنے اور قومی مفاد پر اپنے ذاتی مفاد کا سرقلم کرنے کا حوصلہ پیدا کرے۔ مختصر یہ کہ ایسے افراد پیدا کیے جائیں جو ضرورت پڑنے پر اپنا تن من دھن سب کچھ داؤ پر لگادیں۔ اگر کسی قوم کے جانباز افراد کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ جائے تو پھر اس قوم کو دنیا کی کوئی طاقت شکست وریخت سے دوچار نہیں کرسکتی۔ آپ نگاہ اٹھا کر اپنے گردوپیش کا جائزہ لیجیے تو یہ بات بالکل واضح ہوکر سامنے آجائے گی کہ آج جن قوموں کے اندر ایثار وہمدردی کی جھلک پائی جارہی ہے وہ زمانہ کے ذہنوں پر چھاتی چلی جارہی ہیں۔

اس لیے میری ملت کے نوجوانو اور بزرگو! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا بھولا ہوا سبق یاد کریں۔ اپنے اخلاق وکردار کی کھوکھلی بنیادوں کو مضبوط کریں۔ عزت وعظمت کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالیں اور ایثار وقربانی کے مٹتے ہوئے جذبوں میں حرکت وعمل کی روح پھونکیں۔

مسلمانو! ضرورت ہے کہ پھر جرار بن جاؤ
صدائے وقت ہے پھر پیکر ایثار بن جاؤ
مٹانے کو تمہارے پھر اٹھا ہے کفر کا طوفاں
خدا را ایک ہوکر آہنی دیوار بن جاؤ
مساوات واخوت ہی تمہارا درس عظمت ہے
نسب کی برتری چھوڑو سبھی ہموار بن جاؤ

اسلام زندہ باد- اتحاد وایثار پائندہ باد

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

اسلام اور عورت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِى الْقُرْآنِ الْمُبِيْنِ.

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْ اٰيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا (پ۲۱:ع۶)

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ۔ (کنزالایمان)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

معزز سامعین کرام، ہم عمر ساتھیو، عزیز بچو! سب سے پہلے والہانہ عقیدت کے ساتھ ہادی اعظم رہبر معظم، محسن اکبر، شافع محشر، محبوب داور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کا تحفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ہم عظمت سرکار کا اظہار کریں گے
یوں سازش گستاخ کو مسمار کریں گے
ہم ذکر نبی کا گل گلزار سجا کر
ہر ذرہ عالم کو ضیا بار کریں گے
خود روح پلٹ آئے گی خوشیوں سے بدن میں
جب قبر میں محبوب کا دیدار کریں گے

جب حشر میں پھیلیں گی شفاعت کی ضیائیں
سب ان کے کمالات کا اقرار کریں گے
پھٹ جائے گا ظلمت کا جگر چشم زدن میں
تربت میں وہ جب بارش انوار کریں گے
ہونٹوں پہ درودوں کا گلستاں لئے قدسی
ہم زیست کے لمحات کو ضوبار کریں گے

اللہ تبارک وتعالی نے کائنات کی آرائش وزیبائش اور زیب وزینت کے لیے بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں۔ ہر ایک کی عظمت وبزرگی الگ الگ اور ہر ایک کی حیثیت جداگانہ ہے۔ ہمارا محدود علم نہ تو ان تمام مخلوقات کے حقائق سے باخبر ہے اور نہ ہی یہ مقام ان تفصیلات کا متحمل ہے۔ مجھے تو آج کی اس مجلس میں قدرت کے صرف اس ایک حسین شاہکار کی عظمت وتقدس کو بیان کرنا ہے جو اطمینان وسکون کا منبع اور راحت وقرار کا مرکز ہے۔ جس کا وجود قلب مضطر کے لیے باعث سکون۔ دل مضمحل کے لیے وجہ اطمینان اور تڑپتے جگر کے لیے مسرت وشادمانی کا سمندر ہے، جو بظاہر صرف چار حروف کا مجموعہ ہے مگر اسی پر کائنات کی رنگینی کا دارومدار ہے۔ اس عظیم ہستی کا نام 'عورت' ہے۔

عورت جو انسانیت کی تکمیل ہے
عورت جو عفت کا پیکر ہے
عورت جو آدمیت کا وقار ہے
عورت جو شرافت کا پتلا ہے
عورت جو تہذیب کی معمار ہے
عورت جو عقیدت کا مرکز ہے
عورت جو تمدن کا شعار ہے
عورت جو محبت کا محور ہے

عورت جو گھر کی مالکہ ہے
عورت جو الفت کا سمندر ہے
عورت جو خاندان کی عظمت ہے
عورت جو وفا کی خوگر ہے
عورت جو کبھی بہن ہے
عورت جو کبھی بیوی ہے
عورت جو کبھی بیٹی ہے
عورت جو کبھی ماں ہے

وہ عورت جس کی عزت وعظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا۔

وجود زن سے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

عورت اسلام سے پہلے : دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ اسلام سے پہلے عورتوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ معاشرہ میں اس کی کوئی عزت نہ تھی۔ سماج میں کوئی مقام نہ تھا۔ اس کا نہ کوئی وقار تھا، اور نہ کوئی اعتبار، نہ کوئی عزت تھی اور نہ وقعت بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں عورت نحوست کی علامت اور قباحت کا نشان تصور کی جاتی تھی۔ عورت کی نگہداشت وکفالت باعث ندامت وشرمندگی تھی۔ شقاوت وبدبختی اس عروج پر تھی کہ لوگوں کی نگاہ میں کائنات کی سب سے بدترین چیز کا نام عورت تھا۔ نہ اس کی کوئی مرضی تھی اور نہ وہ کسی چیز کی مالک تھی۔ سہما سہا وجود اور دبی کچلی ذات کا نام عورت تھا۔ ظلم وزیادتی سہنا جس کا مقدر اور مردوں کے لیے سامان نشاط بننا جس کا نصیبہ تھا۔ کبھی وہ گروی رکھی جاتی تھی، کبھی جوئے میں ہاری جاتی تھی اور کبھی بازار میں بیچی جاتی تھی۔

بچیاں پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردی جاتی تھیں۔ نہ ان پر کوئی آنسو بہانے والا تھا اور نہ ہی کوئی امداد کرنے والا اس کے برعکس بے قصوروں کی چیخ وپکار پر قہقہہ

لگانے والوں کی بھرمار تھی۔

حضرت دحیہ کلبی آغوش اسلام میں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دحیہ کلبی عرب کے ایک کافر بادشاہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے داخل اسلام ہونے کے متمنی تھے کیونکہ ان کے زیر اثر ان کے قبیلہ اور خاندان کے تقریباً سات سو افراد ایسے تھے جو ان کے ایمان لاتے ہی دامن اسلام سے وابستہ ہو جاتے۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے یہ خواہش کسی اور کی نہیں بلکہ محبوب پروردگار کی تھی۔ لہٰذا یہ خواہش پوری کیسے نہیں ہوتی پروردگار عالم جو مقلب القلوب ہے اس نے اسباب پیدا کر دیے اور بھلا کیوں نہ کرتا کہ۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی ﷺ

آخر ایک شب حضرت دحیہ کا مقدر بیدار ہوا اور انہوں نے اپنے دل میں اسلام قبول کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فجر کی نماز کے بعد وحی بھیجی جس میں آپ کو آگاہ کیا گیا کہ:

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک میں نے دحیہ کے دل میں نور ایمان روشن کر دیا ہے۔ پس وہ ابھی حاضر ہونے ہی والا ہے۔ چند ہی ثانیہ بعد حضرت دحیہ کلبی حاضر بارگاہ رسالت ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھتے ہی اپنی پشت انور سے نورانی چادر اتار کر زمین پر بچھا دیا اور انہیں اس نورانی چادر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جناب دحیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسن اخلاق سے گھائل ہو گئے۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نورانی چادر کو اٹھایا لبوں سے بوسہ دیا۔ آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھ کر پکار اٹھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ اسلام کے دامن رحمت میں داخل ہوتے ہی آپ کے تن بدن میں مسرت وشادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اردگرد کا سارا ماحول خوشی سے جھوم اٹھا معاً کسی خیال سے آپ کا

جگر پاش پاش ہو گیا۔ زخم کی ٹیس اتنی کاری محسوس ہوئی کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا۔ مسرت وشادمانی کے اس فرحت آمیز اور نشاط انگیز ماحول میں حضرت دحیہ کی آنکھوں کا اشکبار ہونا بہر حال مقام حیرت تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ دحیہ یہ تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرات کیسے نظر آرہے ہیں؟ یہ وقت تو آنسو بہانے کا نہیں بلکہ مسکرانے کا ہے۔ پھر آخر رونے کا سبب کیا ہے؟ حضرت دحیہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں میں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں۔ میرے ان ہاتھوں نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ یا رسول اللہ! مجھے اس وقت میرے وہ روح فرسا گناہ یاد آگئے۔ میرے کانوں میں دور بہت دور سے چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ یارسول اللہ! آپ اپنے رب سے دریافت فرمائیے کہ میرے ان گناہوں کا کفارہ کیا ہے؟ میری ان زیادتیوں کی سزا کیا ہے؟ اگر رب تبارک وتعالیٰ مجھے ان گناہوں کے عوض اپنی جان قربان کرنے کا حکم دے تو مجھے منظور ہے اور اگر مال وزر سے اس کا کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے تو میں اس کے لیے بھی بخوشی تیار ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کی پرسوز ودلگیر آواز سن کر فرمایا۔ دحیہ! ذرا ان گناہوں سے پردہ تو ہٹاؤ جن کی یاد تمہاری روح کو بے قرار اور جسم کو لرزا رہی ہے۔ حضرت دحیہ جواباً عرض گذار ہوتے ہیں۔ یارسول اللہ! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک بادشاہ ہوں۔ میرے پاس کئی بیویاں تھیں۔ میں نے اپنے لیے معیوب سمجھا کہ میرے گھر میں بچیوں کی پرورش ہو اور مجھے ان کی شادی کر کے کسی کو اپنا داماد بنانا پڑے۔ اس لیے میں نے اپنے انہیں ہاتھوں سے ستر بیٹیوں کو قتل کیا ہے۔ یہ سن کر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم متحیر ہو گئے۔ ابھی آپ کچھ جواب بھی نہ دے پائے تھے کہ اتنے میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام پیغام حداوندی لے کر حاضر ہوئے یارسول اللہ! آپ دحیہ سے فرما دیجئے کہ میرے رب نے فرمایا ہے کہ میری عظمت وجلال کی قسم بے شک جب تو نے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللّٰہ کہہ دیا تو میں نے تیرے ساتھ

سال کے گناہوں کو معاف فرما دیئے۔ پھر کیسے تیرے لڑکیوں کے گناہ کو معاف نہ کروں گا۔ (خزینۃ الاسرار الکبریٰ استاذ الکل اسیر محمد حنفی الناذی، ص، ۲۶)

ایک اور دل سوز واقعہ: مسند داری میں یہ حدیث بھی مروی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اعتراف حقیقت کرتے ہوئے کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم زمانہ جاہلیت میں گندگی اور غلاظت میں ڈوبے ہوئے تھے بتوں کی پوجا کرتے اور لوگوں پر ظلم وزیادتی کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی اولاد کو بھی قتل کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ پھر اس نے خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

ایک مرتبہ میں تجارت کے سلسلے میں کہیں دور جا رہا تھا ان دنوں میری بیوی حاملہ تھی۔ جاتے جاتے میں نے اسے نصیحت کی دیکھو! اگر میری غیر موجودگی میں لڑکی پیدا ہو تو پیدا ہوتے ہی قتل کر دینا میری آمد کا انتظار نہ کرنا اور اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کی خوب اچھی طرح دیکھ بھال کرنا اور اس کی پرورش و پرداخت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کرنا۔ جب میں اپنے سفر سے واپس آیا تو اپنے آنگن میں ایک چاند سی خوبصورت اور دلکش بچی کو کھیلتے ہوئے دیکھا میں نے اپنی شریک حیات سے پوچھا یہ بچی کون ہے؟ میرے اس سوال کے جواب میں اس نے کہا اے میرے سرتاج! آپ کے جانے کے بعد میرے گھر میں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ آپ کے حکم کے مطابق میں نے قتل کر دیا یہ پڑوسن کی بچی ہے جسے کبھی کبھی اپنا دل بہلانے کے لیے لے آتی ہوں۔

یا رسول اللہ! وہ بچی میرے گھر آتی رہی اور میں اس کی شکل وصورت کو دیکھتا رہا۔ وہ میرے آنگن میں کھیلتی رہی اور میرے دل میں جگہ بناتی رہی کچھ دنوں کے بعد مجھے اس بچی سے محبت ہوگئی اور قدرت خداوندی سے اس بچی کو بھی مجھ سے محبت ہوگئی۔ بالآخر ایک دن میں نے اس کی معصومیت اور محبت کا تذکرہ اپنی بیوی سے کیا۔ میری بیوی جو موقعہ کے تاک میں تھی میری دلی کیفیت سے آگاہ ہوتے ہی اس نے فوراً کہا اے میرے سرتاج! یہ چاند کا ٹکڑا کوئی اور نہیں بلکہ تمہاری ہی مہ پارہ

ہے۔ یہ کوئی دوسری نہیں بلکہ تمہاری ہی نور نظر اور لخت جگر ہے اس وقت میرے دل میں ایک گونہ مسرت کا احساس ہوا اور میں نے اسے اپنی لڑکی کی حیثیت سے قبول کرلیا۔ مگر یا رسول اللہ! رفتہ رفتہ یہ بات گلی محلہ اور بستی میں پھیل گئی لوگ میرا مذاق اڑانے لگے مجھے طعن وتشنیع کے تیر سے زخمی کرنے لگے میری بے عزتی اور رسوائی پر آمادہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ پریشان ہوکر میں نے اس بچی سے پیچھا چھڑانے کا تہیہ کرلیا۔ آخرکار ایک دن میں اسے بہلا پھسلا کر جنگل میں لے گیا اور وہاں ایک کنویں میں اسے ڈال دیا۔ یارسول اللہ! وہ دلدوز منظر آج بھی میری نگاہوں کے سامنے گردش کررہا ہے۔ وہ معصوم بچی چیخ وپکار کرکے مجھ سے زندگی کی بھیک مانگتی رہی۔ دردوکرب کا مجسمہ بن کر مجھ سے زندگی کی خیرات مانگتی رہی۔ اپنی توتلی زبان سے میری شفقت وہمدردی کو آواز دیتی رہی۔ لیکن اس وقت میں تمہاری ہمدردی اور پیار سے عاری ہوکر اسے پانی میں اوپر نیچے غوطہ لگاتے دیکھتا رہا مگر میرا دل نہ پسیجا بالآخر چند لمحوں کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ وہ شخص اپنا واقعہ بیان کررہا تھا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم آنسو بہا رہے تھے۔ اس کے خاموش ہوتے ہی آپ نے فرمایا پھر سناؤ۔ وہ شخص اپنے جبر واستبداد کی داستان سناتا رہا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب نازک زخمی ہوتا رہا۔ آنکھیں ساون بھادو برساتی رہیں۔ یہاں تک کہ ریش مبارک تربتر ہوگئی۔ بعد میں آپ نے اس شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ صحبت رسول کی برکت سے اس کا دل روشن ہوگیا اور کلمہ طیبہ پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ (مسند دارمی)

یہ صرف عرب کے حالات نہیں بلکہ پوری دنیا کچھ کم وبیش انہیں احوال وکوائف سے دوچار تھی۔ روئے زمین کے ہر خطہ پر عورتوں کی عزت وآبرو کے ساتھ یونہی کھلواڑ کیا جارہا تھا۔ ان روح فرسا مناظر کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں اور پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری سے ایک حسین انقلاب کی جھلک ملاحظہ کریں۔

عورت اسلام کے بعد: یقیناً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف

آوری سے باغ عالم میں بہار آئی۔ پژمردہ کلیاں شگفتہ ہوئیں۔ اداسیوں نے مسکراہٹوں کا لباس پہنا۔ سسکیوں کی جگہ قہقہے گونج اٹھے۔ شام غم کی ظلمتوں میں صبح مسرت کی تجلیاں نظر آنے لگیں۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے جہاں عالم کا چپہ چپہ فیضیاب و سرشار ہوا۔ وہیں پر عورتوں اور بچوں کی زندگیاں بھی مسرت و شادمانی سے جھوم اٹھیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکری و عملی کاوشوں نے عورتوں کے وجود کو سراپا رحمت و برکت بنادیا۔

بلاشبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو تحت الثریٰ کی پستی سے نکال کر عرش اعلیٰ کی بلندیوں تک پہنچادیا۔ اسلام نے عورت کی عظمت کو بلندی عطا کی اور اس کی شوکت میں چار چاند لگادیئے۔ اسے سماج کا ایک حصہ بنا کر مردوں کی طرح صاحب اختیار بنادیا۔ اسلام نے عورتوں کی سوئی ہوئی تقدیر کو بیدار کر کے زندگی کے ہر موڑ پر اسے تقدس اور احترام کا پیکر بنادیا۔

عورتوں کی زندگی کے چار ادوار

پہلا دور: عورت جب دنیا میں قدم رکھتی ہے تو یہ اس کا پہلا دور "بچپنہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ دور بڑا ہی نازک اور دل فریب ہوتا ہے۔ یہ اس کی پرورش و پرداخت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اسلام نے اس دور میں ان بچیوں کی دیکھ بھال اور بہترین کفالت و نگہداشت پر ثواب کا وعدہ کر کے ان کے مستقبل کو محفوظ کردیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کی بیٹی پیدا ہوئی اور اس نے نہ اس کو زندہ دفن کیا نہ اسے بے وقعت سمجھا۔ نہ اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح دی تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۲۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کی پرورش میں دو لڑکیاں بلوغ تک رہیں تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ وہ اور میں بالکل پاس پاس ہوں گے یہ کہتے ہوئے حضور نے

انگلیاں ملا کر دکھائیں اور فرمایا اس طرح (ایضاً، ص:۴۲۱)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بہنوں یا دو بیٹیوں کی پرورش کی انہیں پڑھایا سکھایا یا ان کے ساتھ نیک سلوک کیا اور پھر ان کی شادی کر دی وہ جنتی ہو گیا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی کے پاس تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی تکالیف اور معاشی پریشانیوں پر صبر کرے تو ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ راوی فرماتے ہیں، اس پر ایک شخص نے پوچھا اگر کسی کے دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو؟ آپ نے فرمایا دو لڑکیاں ہوں تو بھی (اللہ جنت عطا فرمائے گا) ایک شخص نے عرض کیا اگر ایک ہو؟ آپ نے فرمایا اگر ایک ہو تو بھی۔ (مستدرک حاکم ج ۴، ص ۱۷۶)

دوسرا دور: بلوغ کی منزل میں قدم رکھنے کا ہے۔ بہترین تعلیم و تربیت اور امور خانہ داری کی مہارت کے ساتھ عقل و شعور کی منزل میں قدم رکھتے ہی اچھی جگہ شادی کر دینا بھی عبادت ہے۔

تیسرا دور: اب وہی عورت جب کسی کی شریک حیات بنتی ہے تو اسلام یہاں بھی اس کے حقوق کی رعایت اور اس کی عظمت کی حفاظت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔
رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

کوئی مسلمان شوہر اپنی بیوی سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک بات کو برا سمجھے گا تو دوسری کو پسند کرے گا۔ (مسلم شریف)

بندہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے بعد جو چیز سب سے بہتر اپنے لیے انتخاب کرتا ہے۔ وہ نیک بخت عورت ہے۔ ایسی عورت کہ جس کو وہ کسی بات کا حکم دے تو وہ فوراً اس پر عمل کرے اس کی طرف دیکھے تو اس کا دل خوش کرے اگر وہ موجود نہ ہو تو اپنی عصمت اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ (ابن ماجہ)

دنیا کا بہترین سرمایہ نیک بخت عورت ہے۔(مسلم)

جو شخص اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے اسے چاہیے کہ عورت کے ساتھ اچھا معاملہ کرے۔اور بہتر سلوک کرے۔عورت بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اگر پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو ٹوٹ جائے گی اور چھوڑ دے گا تو ویسے ہی رہے گی۔عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔(بخاری)

تم میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔(ترمذی)

عورت کو نوکر یا غلام کی طرح مت مارو۔(ترمذی)

بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ اپنی بیوی کو طعنہ مت دو۔اس کا دل نہ دکھاؤ، اس کو چھوڑ کر نہ چلے جاؤ۔(ترمذی)

عورتوں کی عزت افزائی کرتے ہوئے آپ نے انہیں بھی شادی بیاہ کا اختیار مرحمت فرما دیا۔جیسا کہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔بیوہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔کنواری لڑکی حیا کرتی ہے۔اس سے کیوں کر اجازت حاصل کی جائے۔حضور نے فرمایا اس کی اجازت یہ ہے کہ وہ خاموش رہے۔(بخاری)

چوتھا دور: عورت کا چوتھا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ ماں کے مقدس منصب پر فائز ہوتی ہے اسلام نے اس مقام پر بھی اس کے تقدس کا بھرپور احترام کیا ہے۔قرآن مقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت و بزرگی کے مابعد ماں باپ کی تعظیم و تکریم اور عقیدت و محبت ہی کا تذکرہ ہے،ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا. (پ ۵، النساء، آیت:۳۶)

اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو۔ (کنزالایمان)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (پ۱۵، بنی اسرائیل، آیت:۲۳)

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا (کنزالایمان)

خدمت والدین کے تعلق سے احادیث مبارکہ بھی کثیر تعداد میں وارد ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا یارسول اللہ! مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صُحْبَتِیْ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حسن سلوک کا زیادہ حقدار کون ہے؟

قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ۔ (بخاری و مسلم)

آپ نے فرمایا تیری ماں تیرے حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے دریافت کیا پھر کون؟ آپ نے جواب دیا تیری ماں۔ اس نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پاک بھی مروی ہے۔

رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِيْلَ مَنْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدَهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔

(آپ نے تین مرتبہ فرمایا) وہ ذلیل و رسوا ہوا اس کی ناک خاک آلود ہوا اس کی

ناک خاک آلود ہو پوچھا گیا یارسول اللہ وہ (بدبخت) کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اپنے والدین میں سے دونوں کو یا ایک کو بوڑھاپے میں پائے اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو۔ (مسلم وترمذی)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت و جہاد کی اجازت طلب کی۔ تا کہ خدا سے اس کا اجر پائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہیں؟ کہا دونوں زندہ ہیں، فرمایا کیا تم چاہتے ہو، کار خیر کر کے خدا سے اس کا اجر پاؤ؟ کہا ہاں! فرمایا تم اپنے ماں باپ کے پاس چلے جاؤ اور ان کی خوب خدمت کرو (یہی سب سے بڑا جہاد ہے) (مسلم شریف)

اللہ اکبر! ہے دنیا کا کوئی ایسا مذہب جو عورتوں کے اس تقدس واحترام کی مثال پیش کر سکے؟ آپ دنیا کی پوری تاریخ کھنگال ڈالئے مذاہب عالم کا نہایت باریکی سے مطالعہ کر لیجئے مگر اس کی جھلک کہیں نہیں ملے گی۔ مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی خدا کا وہ پسندیدہ دین اور محبوب مذہب ہے، جس کے دامن میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت محفوظ ہے۔ صرف اور صرف اسی مقدس مذہب نے عورتوں کے مقام ومرتبہ میں چار چاند لگائے ہیں۔

آیئے! تھوڑی اور تفصیل کے ساتھ اسلام میں عورتوں کی عظمت ملاحظہ کیجئے۔

قرآن مقدس جو اسلام کی بنیادی اور اصولی کتاب ہے اس میں عورت کی ایک مستقل حیثیت ہے۔ قرآن کے قانون وراثت میں عورت کو بیٹی، بیوی اور ماں کی حیثیت سے ہمیشہ اور بعض دیگر رشتہ داری کی بنیاد پر اکثر حصہ ملتا ہے۔ گویا اس کی ذات اپنی جگہ پر ایک الگ شناخت رکھتی ہے، جس میں وہ کسی کی محتاج نہیں۔

اس کی مستقل شخصیت کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ شادی کے موقعہ پر اسے بالکل خاموش اور مجبور نہیں کیا گیا ہے، باپ دادا اور چچا وغیرہ کو یہ قطعی اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ وہ جہاں چاہیں اور جس سے چاہیں عورت کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کردیں بلکہ زندگی کے اس اہم موڑ پر عورت کو پورا پورا اختیار دیا گیا ہے کہ رشتہ اگر

اس کی مرضی کے خلاف ہے تو وہ انکار کر سکتی ہے۔ پسند و ناپسند میں بالکل مردوں کی طرح اسے بھی اختیار حاصل ہے۔

اسلام میں عورت کی عفت و پاکدامنی کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر کوئی اس کی طرف نگاہ غلط ڈالے تو وہ عند اللہ معتوب ہوگا اور اگر کوئی اس کی عصمت کے تعلق سے غلط الزام لگائے تو ایسے شخص کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور حد یہ کہ ہمیشہ کے لیے شرعی عدالت میں اس کی گواہی مردود باطل قرار دے دی جائے گی۔

عورتوں پر اسلام کے یہ وہ احسانات ہیں جنہیں دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ نیز یہ وہ حقائق ہیں جن کا اعتراف مسلم دانشوروں کے علاوہ دنیا کے بڑے بڑے غیر مسلم مفکروں نے بھی کیا ہے۔

آئیر نیا میڈ کس اپنی کتاب Women in Islam (عورت اسلام میں) میں لکھتا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین چیزوں کو اپنی پسندیدہ چیز فرمایا ہے۔ وہ نماز، خوشبو اور عورت ہے۔ عورت آپ کے نزدیک عزت و وقار کے لائق تھی۔ اس سماج میں جہاں لوگ اپنی بیٹیوں کو پیدائش کے بعد زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں عورتوں کو جینے کا حق دیا۔ عورت کے حقوق و فرائض کی حفاظت جس طرح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اس کی مثال دنیا کی پوری قانونی تاریخ میں نہیں ملتی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسلام میں عورت کو وہ مقام عطا کیا ہے جو آج یوروپ کے ماڈرن سماج میں بھی اسے حاصل نہیں ہے۔

مسٹر جی۔ ڈبلیو لائٹز، اعتراف حقیقت کے طور پر اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

عورت کو جو عزت اور مقام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیا وہ مغربی ممالک اور دوسرے مذاہب کبھی نہیں دے سکتے۔

کرم بالائے کرم: عورتوں پر اسلام کے الطاف و عنایات کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ بعض حالات میں عورتیں مردوں پر فوقیت حاصل کر لیتی ہیں۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان سے ظاہر ہے۔

اَلْاَمْرَاۃُ الصَّالِحَۃُ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ رَجُل غَیْرِ صَالِحٍ وَامْرَاۃٌ خَدَمَتْ زَوْجَھَا سَبْعَۃَ اَیَّامٍ اُغْلِقَتْ عَنْھَا سَبْعَۃَ اَبْوَابِ النَّارِ وَفُتِحَتْ لَھَا سَبْعَۃُ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ تَدْخُلُ مِنْ اَیِّھَا شَاءَ تْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

نیک عورت ہزار برے مردوں سے بہتر ہے وہ عورت جو اپنے خاوند کی سات دن تک خدمت کرتی رہے اس پر جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیے جائیں گے اور اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے، جس سے چاہے گی بغیر حساب داخل ہو جائے گی۔

حضرات! یہ تمام حقیقتیں بانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ اسلام عورتوں کے حقوق کا محافظ ہے۔ اسلام عورتوں کی عصمت کا نگہبان ہے۔ اسلام عورتوں کے وقار کا علمبردار ہے اور اسلام عورتوں کا مسیحا ہے۔

مگر کچھ لوگ ان تمام حقائق کو پس پشت ڈال کر اسلام کے رخ تابناک کو گرد آلود کرنے کی ناپاک جسارتیں کر رہے ہیں۔ تعصب و تنگ نظری کی عینک لگا کر اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی مذموم حرکتیں کر رہے ہیں۔ جس اسلام نے عورتوں کو عزت و عظمت کے بلند مقام پر فائز کیا اسی اسلام کو انہیں عورتوں کے حوالے سے بدنام کرنے کی بے سروپا سازشیں کی جا رہی ہیں۔

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ حقائق کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور غلط پروپیگنڈہ کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ پروردگار عالم مسلمانوں کو عزم و حوصلہ اور عقل و شعور سے مالا مال فرمائے آمین ثم آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اسلام اور علم کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَیَانَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِ الرَّحْمٰنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْمُسْتَعَانَ. اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِیْ كِتَابِهِ الْعَظِیْمِ وَخِطَابِهِ الْقَدِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (پ۲۳، زمر، آیت: ۹)

تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ (کنز الایمان)

تعلیم کی قندیل سے روشن ہوکر
اوہام کے ظلمات سے نکلو پیارے
قوم ابھرتی ہے نظام عقل کی تنظیم سے
عقل ہوتی ہے منور مشعل تعلیم سے
اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا ہے
ہے خون فاسد کے لیے تعلیم مثل نشتر
ہو علم تو پھر کیا نہیں قبضے میں تمہارے
تم چاہو تو جنگل کو بھی گلزار بنادو
چراغ علم نبی دہر میں جلائیں گے
جہاں سے کفر کی تاریکیاں مٹائیں گے
ہے آرزو کہ تعلیم قرآں عام ہوجائے
کہ ہر پرچم سے اونچا پرچم اسلام ہوجائے

برادرانِ اسلام! آج کی اس برق رفتار اور چکاچوند دنیا میں علم کی ضرورت

وافادیت سے کوئی بھی انسان انکار نہیں کر سکتا کیوں کہ ہر عامی و عالم اور جاہل و دانا پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ترقی کی منزل کی سب سے پہلی کڑی اور سب سے پہلا زینہ تعلیم ہی ہے۔ بلاشبہ یہ علم ہی کی دولت ہے جس سے زندگی گزارنے کا سلیقہ، جینے کا ڈھنگ، تہذیب وتمدن کی سمجھ، اصابت رائے، بلندی فکر، رفعت پرواز، دلنوازی سخن، حسن اخلاق، حقوق وفرائض کی رعایت، انسانیت وہمدردی کی لگن اور اخوت ومحبت کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ مسلمانوں نے اس حقیقت کو سب سے پہلے سمجھا اور علم کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ جب تک اس سے وابستہ رہے روز بروز شاہراہ ترقی پر گامزن ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ساری دنیا کی امامت وسیادت اور قیادت ورہنمائی ان کے ہاتھوں میں آ گئی۔ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے ہر خطہ زمین پر مسلمانوں کی شوکت علم کا پرچم لہرانے لگا اور دنیا کی تمام قوموں پر اس کے علمی جاہ وجلال اور قابل افتخار کارناموں کی دھاک بیٹھ گئی۔ مگر ذرا وقت کی نیرنگی اور حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ آج مسلمان ہی علوم وفنون کے میدان میں دنیا کی تمام قوموں سے پیچھے ہیں۔

اے میری قوم! تجھے عظمت رفتہ کی قسم!
تجھ میں احساس کے جذبات شکستہ کی قسم!
اپنی تاریخ کو جو قوم بھلا دیتی ہے
صفحۂ دہر سے وہ خود کو مٹا دیتی ہے

سامعین کرام! آج دنیا یورپ وامریکہ کی حیرت انگیز ترقیوں کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ ہر چہار جانب ان کی حکمت ودانائی کے چرچے ہیں۔ ہر طرف ان کی دانشمندی کا شور ہے۔ ہر محفل میں ان کے علم وہنر کا تذکرہ ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ لوگ نئی نئی چیزوں کے موجد ہیں۔ آج اگر کسی سے دریافت کیا جائے کہ اے فور، ایٹم بم اور میزائل کے موجد کون ہیں؟ تو جواب ہوگا امریکہ۔

اگر پوچھا جائے کہ دنیا کو ٹیوب لائٹ اور بلب کی روشنی سے کس نے منور کیا؟ تو جواب دیا جائے گا اہل یورپ نے۔

اگر سوال کیا جائے کہ فضاؤں کا سینہ چیرنے والے ہوائی جہاز اور راکٹ سے دنیا کو کس نے آشنا کرایا۔ تو جواب دیا جائے گا مغربی ممالک کے ذہین افراد نے۔

اگر پوچھا جائے کہ چاند پر کمند ڈالنے والے کون ہیں مریخوں کو مسخر کرنے والے کون ہیں؟ سورج کی شعاعوں کو مقید کرنے کا سلیقہ کس نے عطا کیا؟ تو جواب ہوگا، یورپین لوگوں نے۔

اگر ریڈیو، ٹرانجسٹر، ٹی، وی، ٹیلی فون اور موبائل جیسے محیر العقول اشیاء کے موجدین کے بارے میں سوال کیا جائے تو جواب میں یورپین برادری ہی کا نام لیا جائے گا، لیکن!

میرے بزرگو اور ساتھیو! اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان سب چیزوں کا ابتدائی تصور کہاں سے آیا؟ موجدین و ماہرین کے ذہن میں یہ باتیں پیدا کس طرح ہوئیں؟ انہیں عقل و خرد کی بند گرہیں کھولنے کی تدبیر کہاں سے دستیاب ہوئی؟ فکر و شعور کو جلا کہاں سے ملی؟

تو ان سوالوں کا جواب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ سب صدقہ ہے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہ سب نوازش ہے مذہب اسلام کی، یہ سب عطیہ ہے قرآن کا اور عنایت ہے حدیث پاک کی۔ قرآن کریم مسلمانوں کی مذہبی کتاب اور ساری دنیا کے لیے نسخہ کیمیا ہے۔ اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ (الانعام، آیت:۵۸)

اور نہ کوئی تر اور خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا ہو۔ (کنز الایمان)

جب خداوند قدوس نے یہ فرمادیا کہ قرآن پاک میں ہر چیز کا ذکر ہے تو ہمارا ایمان و اعتقاد کہتا ہے کہ یقیناً اس کے اندر سب کچھ موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ

ہماری علمی وذہنی کوتاہی کی وجہ سے ہماری رسائی وہاں تک نہیں ہو پائی۔لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔

جو شوق دیدہ وری ہو تو دیکھنے والو
نقاب سے جو چھن جائے وہ نظر لاؤ

سامعین محترم! اہل یورپ آج جو فخر یہ یہ دعوٰی کررہے ہیں کہ یہ ساری چیزیں ہماری پیداوار ہیں۔ ہمارے ہی ذہن کی جولانیت اور ہماری ہی فکری کدوکاوش کا نتیجہ ہے۔ ہم ہی ان کے اصل الاصول ہیں۔ یہ سب محض فریب اور دھوکہ ہے۔ میڈیائی پروپیگنڈہ اور اپنی سرخروئی کا اظہار ہے۔ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ سائنس کی ان حیرت انگیز ترقیوں کا خمیر ہمارے مذہب میں ہے۔ بنیاد اسلام ہے اور اساس قرآن ہے۔

ہاں! اس حقیقت کے اعتراف سے انکار نہیں کہ قوم مسلم نے قرآن کے اسرار ورموز پر کما حقہ غور وفکر نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی یہ کچھ نہ کر سکے۔اس کے برعکس مغربی ممالک کے بیدار مغز افراد قرآن وحدیث کا گہرائی سے مطالعہ کر کے ان میں غور وفکر سے کام لے کر زمانہ کے ذہنوں پر چھا گئے اور دنیا کو حیرت واستعجاب کے بحر بیکراں میں ڈوبکیاں لگانے لینے پر مجبور کردیا۔ ہمارے خزانوں سے ہمارے حریف فائدہ اٹھاتے رہے اور ہم بت بنے تماشہ دیکھتے رہے۔ ہمارے دولت سے دوسرے مالدار ہو گئے اور ہم مفلس وکنگال ہو گئے۔ یہ ہے قوم مسلم کا المیہ!

ابھی سے کیوں چھلکتے ہیں تمہاری آنکھ سے آنسو
ابھی چھیڑی کہاں ہے داستان درد دل ہم نے

حضرات یہ وہ تلخ حقائق ہیں جو غیر تو غیر اپنوں کے گلوں سے بمشکل اترتے ہیں۔مگر حقیقت یہی ہے جو میں آپ کے سامنے بیان کررہا ہوں اگر آپ کو میری اس گفتگو میں مبالغہ نظر آرہا ہو تو ذرا مغرب کے مشہور ومعروف یونیورسٹیز آکسفورڈ اور

کیمبرج کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جس وقت آکسفورڈ اور کیمبرج کی بنیاد رکھی جارہی تھی اس وقت مسلمانوں کی درسگاہوں سے ہر طرح کے علم کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ اندلس یا اسپین جہاں نوسو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی اور قرطبہ کی عظیم الشان درسگاہیں پوری دنیا میں علمی مرکز کی حیثیت رکھتی تھیں۔ مغربی ممالک نے ان درسگاہوں میں اپنے طلبہ کی کھیپ بھیج کر انہیں فکر وشعور کا خوگر بنایا اور وہاں سے اساتذہ کی بھیک مانگ کر اپنی درسگاہوں کو مزین وآراستہ کیا۔ سقراط وافلاطون کا فلسفہ، بوعلی کی منطق، لقمان کی حکمت اور جالینوس کی طبابت پہلے عربی میں منتقل ہوئی تب کہیں جاکر انگریزی میں ٹرانسلیٹ ہوئی۔ یہ ہے ہماری قوم کا تابناک ماضی۔

وہ داستاں جو امانت ہے دل کے داغوں کی
کہوں تو چاند ستاروں کو نیند آجائے

مغربی ممالک جو آج اپنی ترقی وعروج پر نازاں ہیں وہ لازمی تعلیم کا قانون انیسویں صدی میں نافذ کرتے ہیں۔ جس کو پیغمبر اسلام نے ساتویں صدی یعنی آج کل کی نام نہاد مہذب دنیا سے بارہ سو سال پیشتر عمومی تعلیم کا تصور نہ صرف پیش کیا بلکہ اسے عملی جامہ پہنا کر دنیائے انسانیت کو زندگی کا سلیقہ اور تہذیب وتمدن کا شعور عطا کیا۔ ثبوت کے طور پر اتنا بیان کردینا کافی ہوگا کہ انگلستان میں جبری تعلیم "Compulsory Education" کا قانون ۱۸۷۰ء میں پاس ہوا۔ اب آپ خود ہی غور کریں کہ ۶۲۴ء جو معرکہ بدر کی تاریخ ہے اور ۱۸۷۰ء جو انگلستان میں عمومی وجبری تعلیم کا زمانہ ہے دونوں میں کتنا طویل فاصلہ ہے؟

ایک اور تاریخی واقعہ سماعت کیجیے کہ ہالینڈ کا مشہور مؤرخ ڈوزی جس نے اسپین میں مسلمانوں کی حکومت کی تاریخ لکھی ہے وہ لکھتا ہے کہ "معمولی کاشتکار اور عام انسان بھی اسپین میں مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں لکھنے پڑھنے سے اچھی طرح واقف تھا جب کہ اس دور میں پادریوں کو چھوڑ کر بادشاہ اور امراء بھی لکھنا پڑھنا

نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح سے ایک سیاح جس نے اس دور میں اسپین کا سفر کیا تھا لکھتا ہے کہ "لوگوں میں ادب کا ایسا عام ذوق تھا کہ ایک معمولی کاشتکار کو بھی اگر کوئی مصرعہ طرح دیا جاتا تو وہ فوراً اس پر گرہ لگا کر ایک روح پرور شعر بنا دیتا تھا۔

تعلیم اسلام کی نظر میں: سامعین محترم و بزرگان ملت اسلامیہ! ہمیں یہ دیکھ کر کافی افسوس ہوتا ہے کہ آخر اس عظیم دولت کے حصول میں یہ قوم اتنا پیچھے کیوں ہے؟ حالانکہ مذہبی اعتبار سے تعلیم کی جتنی اہمیت مذہب اسلام میں ہے اس سے زیادہ تو بہت دور کی بات ہے اس کا دسواں حصہ بھی کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔ کیا آپ نے باری تعالیٰ کا وہ قول جو تعلیم کی اہمیت پر قرآن کریم میں موجود ہے نہیں سنا؟ وہ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ الزمر آیت:۹)

تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ (کنزالایمان)

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (سورہ المجادلہ آیت:۱۱)

اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔ (کنزالایمان)

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر آیت:۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (کنزالایمان)

نیز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی فضیلت و اہمیت بیان فرما کر لوگوں کو اس کے حصول پر برانگیختہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے ارشادات ملاحظہ کریں۔

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ طَرِيْقاً اِلَى الْجَنَّةِ (رواہ مسلم) جو شخص علم کی طلب میں نکلے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان فرما دیتا ہے۔

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِىِّ قَالَ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلٰى اَدْنَاكُمْ. ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ. (رواہ ترمذی)

حضرت ابوامامہ باہلی بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے دو شخصوں کا تذکرہ کیا گیا کہ ان میں سے ایک عابد ہے اور دوسرا عالم تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسی کہ میری فضیلت تم میں سے سب سے ادنیٰ پر۔ پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور زمین و آسمان والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والوں کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرتی ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم حاصل کرو ماں کی گود سے لے کر قبر میں جانے تک۔

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمُ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْكَانَ بِالصِّيْنِ.

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ علم حاصل کرو اگر چہ چین تک جانا پڑے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ.

نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ.

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بڑھ کر ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ إِنْقَطَعَ عَنْہُ عَمَلُہُ إِلَّا مِنْ ثَلٰثَۃٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ أَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُ لَہٗ۔ (رواہ مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین افراد (کا عمل موقوف نہیں ہوتا) ایک وہ جس نے کوئی صدقہ جاریہ کیا ہوا اور دوسرا وہ جس نے ایسا علم حاصل کیا جس سے نفع حاصل کیا جائے اور تیسرا وہ جس نے ایسی نیک اولاد چھوڑی جو اس کے لیے دعا مغفرت کرے۔

قَالَ النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمُ عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَاءُ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

گلستان حدیث میں اور بھی بہت سی ایسی ایمان افروز حدیثیں اور روح پرور اقوال ہیں جن سے مشام جاں معطر کیے جاسکتے ہیں مگر یہاں پر انہیں گلہائے رنگا رنگ کی خوشہ چینی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اب آیئے! ذرا بزرگان دین اور رہبران شریعت وطریقت کی بارگاہ کرم نواز میں حاضری دے لیں تاکہ علم کے تعلق سے ان کے خیالات سے بھی روشناس ہو جائیں۔

علم کے برکات: فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فرمایا کہ عالم کی صحبت میں حاضر ہونے میں سات فائدے ہیں۔ خواہ اس سے علم حاصل کرے یا نہ کرے۔

ایک یہ کہ وہ شخص طالب علم کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کا سا ثواب پاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جب تک اس محفل میں بیٹھا رہے گا گناہوں سے بچا رہے گا۔

تیسرے یہ کہ جس وقت یہ اپنے گھر سے طلب علم کی نیت سے نکلتا ہے ہر قدم

پر نیکی پاتا ہے۔

چوتھے یہ کہ علم کے حلقہ میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے جس میں یہ بھی شریک ہوجاتا ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ علم کا ذکر سنتا ہے جو کہ عبادت ہے۔

چھٹے یہ کہ وہاں جب کوئی مشکل مسئلہ سنتا ہے جو اس کی سمجھ میں نہیں آتا اور اس کا دل تنگ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کے نزدیک منکسر القلوب میں شمار کیا جاتا ہے۔

ساتویں یہ کہ اس کے دل میں علم کی عزت اور جہالت سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

امیر المومنین مولائے کائنات باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

علم دین مال پر سات وجہ سے افضل ہے۔

اول یہ کہ علم پیغمبروں کی میراث اور مال فرعون، ہامان، شداد اور نمرود کی میراث ہے۔

دوسرے یہ کہ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

تیسرے یہ کہ مال کی انسان حفاظت کرتا ہے مگر علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

چوتھے یہ کہ مرنے کے بعد مال تو دنیا میں رہ جاتا ہے اور علم قبر میں ساتھ جاتا ہے۔

پانچویں یہ کہ مال مومن و کافر سب کو مل جاتا ہے مگر علم دین کا نفع ایماندار ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

چھٹے یہ کہ کوئی بھی عالم سے بے پرواہ نہیں لیکن بہت سے عالموں کو مال کی ضرورت نہیں۔

ساتویں یہ کہ علم سے پل صراط پر گزرنے میں قوت حاصل ہوگی اور مال سے کمزوری پیدا ہوگی۔

سات بڑے پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوئے۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کرنے کا حکم فرمایا۔

(۲) حضرت خضر علیہ السلام کو علم کی برکت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا شرحاصل ہوا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کو علم کی عظمت نے قید خانے سے نکال کر تخت شاہی سے سرفراز کیا۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم کی برتری نے بلقیس جیسی حسین وجمیل اور صاحب تخت وتاج بیوی عطا کی۔

(۵) حضرت داؤد علیہ السلام کو علم نے بادشاہی دی۔

(۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم نے ان کی ماں سے تہمت دور کرائی۔

(۷) اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پیشانی پر خلافت الٰہیہ اور شفاعت کبریٰ کا سہرا باندھا گیا۔ (تلخیص تفسیر کبیر اور تفسیر عزیزی بحوالہ تفسیر نعیمی ص ۶۱، ۲۶۰)

دنیوی علوم شرعی نقطۂ نظر سے :

معزز سامعین کرام! یہ بات آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسلام دنیا وآخرت ہر جگہ کامیابی وکامرانی کا ضامن ہے۔ انسان کے پیدا ہوتے ہی اس دنیا سے اس کا سابقہ پڑتا ہے اس لیے زندگی گزارنے میں دنیاوی حالت ومعمولات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ دنیا سے صرف نظر کر کے گوشۂ عافیت اختیار کر لینا، لوگوں سے ترک تعلق کر کے جنگل وبیابان کو اپنا مسکن بنالینا۔ عام انسانوں سے منہ موڑ کر ویرانے میں سکونت اختیار کر لینا اسلام کے نظریہ علم وحکمت اور فلسفہ سیادت وقیادت کے منافی ہے۔

انسان خواہ روحانیت کے کتنے ہی بلند وبالا منصب پر کیوں نہ فائز ہو جائے، لیکن بھوک وپیاس اور جنسی تقاضے کسی نہ کسی صورت میں ضرور اس کے پاس رہتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید میں بندۂ مومن کو اس دعا کی تلقین کی گئی ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔ (البقرہ، آیت: ۲۰۱)

اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے۔(کنزالایمان)

یعنی اسلام اپنے متبعین کی دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے باہمی اخوت ومحبت، بھائی چارگی ورواداری اور حقوق وفرائض کی ادائیگی ورعایت پر کافی زور دیا ہے۔ نیز معاشرہ کی تشکیل وتعمیر پر اپنی بھرپور توجہ مبذول کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرہ کی تعمیر وترقی اور تشکیل وتنظیم اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جب کہ ہم معاشرتی زبان وادب اور علوم وفنون سے واقف ہوں۔

خالص دینی ومذہبی تعلیم کے علاوہ دوسرے علوم کے سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب خود حدیث شریف میں موجود ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سریانی وعبرانی زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی اور صحابہ کرام نے آپ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ان میں مہارت بھی حاصل کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالیشان اور عمل مبارک سے اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے تو میرے خیال سے غلط نہ ہوگا کہ سریانی وعبرانی زبانیں اس وقت کی ضرورت تھیں اور اردو وانگریزی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنا اس دور کی ضرورت ہے۔ آج معاندین اسلام ان زبانوں میں کیسی کیسی ہرزہ سرائی کر رہے ہیں اور کیسے کیسے بیہودہ انداز میں مسلمات اسلام کو اپنے طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور کیسے کیسے گھناؤنے روپ میں پروپیگنڈہ کر کے لوگوں کے دل ودماغ کو مشکوک کرنے کی ناپاک کوششیں کر رہے ہیں اس طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ان زبانوں کو سیکھنے میں فی نفسہ کوئی قباحت وبرائی نہیں بلکہ نیت اگر محمود ہو تو ان زبانوں پر بھی ثواب مل سکتا ہے، کیوں کہ اسلام کی تو یہ آواز ہے۔ ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ''

دنیاوی علوم امام غزالی کی نظر میں: مفکر اسلام امام غزالی نے اپنے زمانہ میں مسلمانوں پر علم طب حاصل کرنے پر بڑا زور دیا ہے: آپ

نے اپنے اہل زمانہ سے شکایت کی کہ جدھر دیکھو طبیب یا ڈاکٹر عیسائی یا یہودی ملے گا جو کلی طور پر شریعت اسلامیہ کے احکام کی اہمیت نہیں سمجھتا جہاں غسل کی ضرورت ہے، وہاں غسل سے روکتا ہے۔ جہاں تیمم کی ضرورت نہیں وہاں تیمم کی رائے دیتا ہے۔ اور کچھ جان بوجھ کر مسلمانوں کو وضو اور غسل سے پرہیز کی تاکید کرتا ہے۔ اس طرح سے مسلمانوں کے دین وایمان کو برباد کرتا ہے، ان کا تمسخر اڑاتا ہے اور مسلمان ہیں کہ خواب غفلت کے شکار ہیں۔

ایک عبرت ناک واقعہ: تاریخ سے ثابت ہے کہ ان عیسائی یا یہودی طبیبوں نے دشمنوں سے ساز باز کر کے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ میں آپ کے سامنے تاریخ سے ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے آپ خود اندازہ لگالیں گے کہ مسلمان ڈاکٹر یا طبیب نہ ملنے کی صورت میں اسلامی دنیا کو کتنے عظیم نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

شہنشاہ ترکی سلطان ''محمد فاتح'' جن کی تاریخی عزت وعظمت کے اظہار کیلئے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ ''محمد فاتح'' اسلامی دنیا کا وہ عظیم الشان اور نامور فاتح ہے۔ جس نے صرف تیئس یا چوبیس سال کی عمر میں یونانیوں کو بے دخل کر کے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔ وہ قسطنطنیہ جو گیارہ سو سالوں سے تثلیث کے پجاریوں کا ناقابل تسخیر مرکز تھا۔ وہ قسطنطنیہ جس کے فاتح کو بہت پہلے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت وخوشخبری عطا فرمائی تھی۔

قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے لشکر کا امیر بہترین امیر ہوگا اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا۔ اس پیش گوئی کا مصداق اور قسطنطنیہ کی فتح کا سہرا اسی مرد مجاہد کے سر بندھا اس عظیم مرد میدان کا طبیب یا آج کی زبان میں ''Family Doctor'' ایک یہودی تھا۔ سلطان محمد نے چاہا کہ عیسائیت کے دوسرے عظیم مرکزی شہر روم پر حملہ کر کے اسے بھی اپنے قبضہ میں کر لیا جائے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عیسائیت کی جڑ اکھڑ جائے اور اس کے فروغ وارتقاء کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں۔ جیسا کہ ابھی

بتایا گیا کہ محمد فاتح نہایت ہی جری و بیباک سپہ سالار، فنون حرب کا ماہر، قوت ارادی کا پختہ اور جنگی تدبیروں سے باخبر انسان تھا۔ عیسائی دنیا اس کے نام ہی سے خائف اور لرزہ براندام تھی۔ اس حقیقت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ۔

ایک فرانسیسی مورخ جیہ Giyah نے سلطان محمد فاتح کے دو سو سال بعد اس کی حکومت کی تاریخ پر کتاب لکھی ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

"دنیا کی تمام مسیحی اقوام کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہیے کہ دوبارہ روئے زمیں پر سلطان محمد فاتح جیسا حکمراں اور فاتح نہ پیدا ہو"۔ (محمد الفاتح ص ۲۹۴، مؤلف ڈاکٹر سالم الرشیدی، مطبوعہ مصطفیٰ البابلی الحلبی مصر)

سلطان محمد فاتح نے روم کی فتح کی تیاری مکمل کر لی تھی بس صرف کوچ کا نقارہ بجانا رہ گیا تھا کہ اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔ تحقیق اور چھان بین کے بعد پتہ چلا کہ ڈاکٹر نے زہر آلود نشتر سے اس کی فصد کھول دی تھی جس سے جسم میں زہر سرایت کر گیا اور سلطان کی موت واقع ہو گئی اور یوں روم کی فتح کا منصوبہ دھرا کا دھرا ہی رہ گیا۔ سلطان کی موت پر عیسائی دنیا میں جو گھی کے چراغ جلائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں وہ بیان سے باہر ہے۔ اسلامی تاریخ کا یہ وہ اندوہناک حادثہ ہے، جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

عصری ماہرین تعلیم کی ضرورت:

کسی کا دست نگر رہ کے کچھ نہ پاؤ گے
فراز اپنے ہی بازو پر اعتبار کرو
اپنے ہاتھوں سے بنا تو بھی کوئی قصر عظیم
چشم حیرت سے کسی محل کی تعمیر نہ دیکھ

حضرات! تاریخ کا یہ واقعہ جو پیش کیا گیا یہ تو صدیوں پہلے کی بات ہے آج جب کہ عصبیت اور عداوت کی آندھی اس وقت سے کہیں تیز چل رہی ہے اور بالخصوص فرقہ وارانہ فسادات کے وقت اس قسم کے حادثات کثرت سے پیش آتے

رہے ہیں، ان حالات کے پیش نظر مسلم نوجوانوں کو قومی وملی مفاد کی خاطر ماہر ڈاکٹر اور تجربہ کار حکیم بننا کتنا ضروری ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ وقت کی یہ اہم ضرورت ہے کہ ہماری قوم کے اندر بھی ماہر سرجن اور تجربہ ڈاکٹروں کی کثرت ہو، تاکہ وقت ضرورت قوم مسلم کے جیالوں کو حوادث کے تھپیڑوں سے بچایا جاسکے۔

ایسے ہی دیگر علوم وفنون اور محکمات وشعبہ جات میں بھی ہماری قوم کے نمائندہ افراد کی ضرورت ہے۔ جب بات چل پڑی ہے جدید علوم کی تو ایک بات کی طرف اور توجہ مبذول کرادوں کہ اس موجودہ دور میں مسلمانوں کو علم کیمیا یعنی کیمسٹری کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ جس کے ذریعے زندگی میں پیش آنے والی بہت سی ضروریات کی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ مثلاً دانتوں کی صفائی کے لیے کول گیٹ، ٹوتھ پیسٹ، غسل کرنے کے لیے صابن جیسے لکس "Lux" سر دھونے کے روغن یعنی شیمپو وغیرہ اور کھانے پکانے کے تیل مثلاً مارگرین وغیرہ وغیرہ جو یوروپ سے بن کرآتی ہیں یا جنہیں یوروپ کی کمپنیاں تیار کرتی ہیں۔ ان کی گرم بازاری کا عالم یہ ہے کہ آج کافر سے لے کر مسلمان اور فساق سے لے کر دین دار تک اسی کو کھانے پکانے میں استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ ان چیزوں کی کیمیاوی طریقوں سے تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ان میں اکثر حرام جانوروں کی چربی شامل ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ جانور یوروپ میں بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی زرعی اقتصادیات کا مدار ہی اسی حرام جانور یعنی خنزیر پر ہے۔

اور ادھر مسلمان ہیں کہ نادانستگی میں بلا تکلف ان چیزوں کو استعمال کر کے اپنے دین وایمان کی برکتوں کو تباہ کرتے چلے جارہے ہیں۔ ان چیزوں کو استعمال کرنے کے بعد فریاد کرتے ہیں کہ خدا ہماری آہ وزاری کو سنتا نہیں اور ہماری دعائیں بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت حاصل نہیں کرتیں، بھلا دعائیں کس طرح سے مقبول ہوسکتی ہیں جب کہ فرمان نبوی علیہ التحیۃ والثنا تو یہ ہے۔

أَنّٰى يُسْتَجَابُ لَكُمْ وَمَا كَلُكُمْ حَرَامٌ وَمَشْرَبُكُمْ حَرَامٌ وَمَلْبَسُكُمْ حَرَامٌ

تمہاری دعائیں کیوں کر قبول ہوں گی، حالانکہ تمہارا کھانا تمہارا پینا اور تمہارا لباس حرام چیزوں سے تیار کیا گیا ہو۔

اس گفتگو سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اپنے ایمان واعمال کی حفاظت کیلئے عصری علوم سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔

یقیناً علم دین کو بقیہ تمام علوم وفنون پر فوقیت و برتری حاصل ہے لیکن اس دنیائے فانی میں رہتے ہوئے ہم عصری علوم کی ضرورت وافادیت سے بھی انکار یا صرف نظر نہیں کر سکتے۔ کون نہیں جانتا کہ اسلامی دنیا میں پٹرول، لوہا اور دیگر معدنیات کی کتنی فراوانی اور کثرت ہے لیکن تیل صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ معدنیات کو کس طرح کام میں لاکر مختلف قسم کی دھاتیں نکالی جائیں؟ ان سب امور کی جانکاری کے لیے ہم امریکن یا یورپین انجینئروں کے محتاج ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں ایران کے وزیر ڈاکٹر مصدق نے تیل کے عام چشموں کو قومی ملکیت قرار دے کر غیر ملکی انجینئروں کو الگ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام کارخانے بند ہو گئے کیوں کہ ایرانی باشندوں کو تیل نکالنے اور صاف کرنے کی مشینوں سے کام لینے کا کوئی علم نہ تھا۔ اس کی وجہ سے ایران کی قومی آمدنی پر زبردست اثر پڑا۔ ملک کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ یہاں تک کہ ایرانی حکومت غیر ملکوں سے قرض لے کر اپنے ملازمین کو تنخواہ دینے پر مجبور ہوئی۔ غور کیجئے! اگر اہل ایران کو تیل نکالنے اور صاف کرنے کا عصری طریقہ معلوم ہوتا اور جدید آلات کو استعمال کرنے کا ہنر جانتے تو کیوں کر یہ نوبت آتی اور قومی آمدنی کا ایک کثیر حصہ جو غیر ملکی کارکنوں کی تنخواہ پر خرچ کیا جاتا ہے وہ اپنے ہی ملک میں رہتا تو ہر لحاظ سے ملک کی تعمیر وترقی کے لیے نفع بخش اور سودمند ثابت ہوتا۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیری بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

محترم حضرات اور معزز سامعین کرام! اس میں کوئی دورائے نہیں کہ علم کی ضرورت وافادیت ہر دور اور ہر زمانے میں مسلم رہی ہے مگر عصر حاضر میں اس طرف

کچھ زیادہ ہی بالغ نظری، باریک بینی، دوراندیشی اور تدبر و تفکر سے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے کیوں کہ گزشتہ زمانوں میں اور موجودہ دور میں کافی فرق ہے۔ پہلے مخالفین کا انداز کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے۔ پہلے اگر دشمن کو زیر کرنا ہوتا تھا تو میدان جنگ کا سہارا لیا جاتا تھا۔ معرکہ آرائی کی جاتی تھی۔ کشت وخون کا بازار گرم کیا جاتا تھا۔ مد مقابل کی زبان پر پابندی لگا کر اپنی زبان اپنانے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ مقابل کی تہذیب وتمدن پامال کر کے اپنی تہذیب میں ڈھلنے پر زور دیا جاتا تھا۔ مگر اب حالات یکسر بدل چکے ہیں۔ جنگ کا نقشہ تبدیل ہو چکا ہے۔ میدان کارزار منتقل ہو چکا ہے۔ لوگوں کو اپنا یرغمال بنانے کا طریقہ ایک نیا رخ اختیار کر چکا ہے۔ آلات حرب وضرب بدل چکے ہیں۔

اب دشمن کو قلم کی تلوار سے گھائل کیا جا رہا ہے۔ مد مقابل پر حملہ اپنے کلچرل کے فروغ، میڈیا کے اثرات، ذرائع ابلاغ کی فراوانی، نظام تعلیم کی وسعت اور افکار ونظریات کی ترویج واشاعت سے کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نازک اور خطرناک دور میں قوم مسلم کو بھی بیدار ہو کر دشمن کی ہر چال پر بڑی گہرائی اور باریکی کے ساتھ نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ دشمنان اسلام کی چالوں کو بے اثر، ان کی تدابیر کو بے سود اور ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے جدید علوم اور جدید آلات سے مسلح ہونا پڑے گا تب ہی اسلام کی خدمت اور حفاظت ہو سکتی ہے۔ مخالفین کی یلغار سے بچا جا سکتا ہے اور معاندین کی ریشہ دوانیوں کی نقاب کشائی کی جا سکتی ہے۔ ورنہ تو ہم کسی بھی طرح سے دشمنان اسلام کے ناپاک حملوں اور شرمناک عزائم سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

بڑا مہیب ہے راہ عمل کا سناٹا
فراز اب تو ارادہ بھی آہنی ڈھونڈو

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ. اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اِتَّبَعَ الْهُدٰى.

اسلام اور نکاح وطلاق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ فَازُوْا فِى الدَّارَيْنِ. اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ.

(آیت:۱۸، رکوع ۱۰)

اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔ (کنز الایمان)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

زینت اسٹیج علماء کرام محترم سامعین عظام! تلاوت کردہ آیت کریمہ کی روشنی میں گفتگو سے قبل سرکار دو جہاں، مالک ہفت آسماں، سیاح لامکاں فخر رسولاں، حضور احمد مجتبیٰ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بشکل درود پاک نذر عقیدت پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ

جہاں ذکر حبیب سید غفار ہوتا ہے
وہاں کا ذرہ ذرہ مطلع انوار ہوتا ہے
خدائے پاک اس محفل پہ رحمت بار ہوتا ہے
کہ جس محفل میں ذکر سید ابرار ہوتا ہے
فرشتوں کو بھی اس محفل سے انس و پیار ہوتا ہے
نہ کیوں ہو جب کہ اس میں افضل الاذکار ہوتا ہے

صلائے عام ہے سب کو یہاں آؤ یہاں آؤ
کمال آدمیت کا یہاں اظہار ہوتا ہے
پیام زندگانی ہے اسی باعث علی الاعلان
نبی کی سنت وسیرت کا ذکر اذکار ہوتا ہے
(قدسی مصباحی)

محترم حضرات سامعین کرام! ابتدائے آفرینش سے نسل انسانی کے تحفظ و بقا کا جو مہذب طریقہ رائج ہے اسے نکاح اور شادی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دنیا کے اندر بے شمار قومیں آباد ہیں، ان گنت مذاہب ہیں، ہر قوم کے زندگی گزارنے کا ایک معیار اور اپنا طریقہ کار ہے۔ ہر مذہب میں کچھ اصول وضوابط کی پابندی ہے۔ ہر باشعور قوم اپنے خاندانی اور آبائی رسم ورواج کی پاسبان وامین ہے اور ہر مہذب خاندان اپنی نیک نامی اور سربلندی کے لیے فکرمند ہے۔

مذاہب عالم میں اسلام اپنے فطری قوانین اخلاقی ضوابط اور روحانی پاکیزگی کی وجہ سے تمام مذاہب پر فائق وبرتر ہے۔ اسلام نے انسانوں کی آبرومندانہ زندگی کے لیے نکاح کا پاکیزہ طریقہ عطا کیا ہے۔ بلکہ اسے اپنانے پر ثواب کا وعدہ فرما کر اس خالص دنیاوی عمل کو دین سے وابستہ کردیا ہے۔

اسلام میں شادی کی اہمیت: اسلام کا تصور شادی بڑا مقدس اور پاکیزہ ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

یَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَةَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ فَعَلَیْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ وِجَاءٌ لَهُ۔ (مشکوٰۃ شریف)

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کرنے کی طاقت رکھے تو وہ ضرور شادی کرے کیوں کہ وہ نگاہ کو نیچی رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے، کیوں کہ روزہ شہوت شکن ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس شخص کی مدد اللہ پر واجب ہے جس نے زنا سے بچنے کے لیے نکاح کیا۔ (ترمذی شریف)

اس پیغام سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم شادی پر آمادہ کر کے معاشرہ کی بے حیائی و برائی کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ انسان جب شادی کے بندھن میں بندھ جاتا ہے تو اس کی نگاہیں ایک مرکز پر منحصر ہو جاتی ہیں۔ اس کے خیالوں کی دنیا سمٹ جاتی ہے دل مضطر کو سکون نصیب ہو جاتا ہے دل مضمحل کو قرار مل جاتا ہے اور عورتوں کی عزت و آبرو محفوظ ہو جاتی ہے۔

اسلام چونکہ پوری دنیا کو پیار و محبت اور امن و شانتی کا پیغام دیتا ہے دنیا کو امن و سکون اور خوشی و مسرت کی باد بہاری سے شاد کام کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے نکاح کو ایک اہم کڑی خیال کیا۔ اسی لیے مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لَمْ تَرَیَ مِثْلُ الْمُتَحَابِّیْنِ فِی النِّکَاحِ۔

تمہیں نکاح سے زیادہ محبت پیدا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہ ملے گی۔

گویا شادی کے مقدس بندھن میں الفت و محبت کا خزانہ پوشیدہ ہے۔

کس عمر میں شادی کی جائے؟ شادی کے لیے شریعت میں عمر کی کوئی قید نہیں۔ جیسا کہ آج کل عام طور سے لڑکوں روزگار اور لڑکیوں کو تعلیم کے نام پر پچیس چھبیس سال اور تیس تیس سال منتظر رکھا جاتا ہے۔ اس قسم کی سوچ معاشرے کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب (تمہاری لڑکیوں کے لیے) تمہیں وہ شخص پیام بھیجے جس کی دینداری اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو تم اس سے نکاح کر دو اگر تم ایسا نہ کرو گے (اور لڑکیوں کو مال و دولت کے لالچ میں بٹھائے رکھو گے) تو دنیا میں فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد پھیلے

گا۔(ترمذی شریف)

حدیث پاک میں تورات شریف کے حوالے سے مذکور ہے۔

جس شخص کی لڑکی بارہ برس کی عمر کو پہنچ گئی اور اس نے اس لڑکی کا نکاح نہیں کیا اور وہ لڑکی بدکاری کے گناہ میں پڑ گئی تو اس کا گناہ لڑکی والے کے سر پر بھی ہوگا۔ (مشکوۃ ۲،۲/۲۷۱)

کیسی عورت سے شادی کی جائے؟ آج کل عام طور سے لوگوں کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ وہ شادی سے پہلے لڑکی کے والدین کی مالی پوزیشن دیکھتے ہیں۔ اس سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد خاندانی حالت معلوم کی جاتی ہے۔ اس کے حسن وخوبصورتی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس کی تعلیمی لیاقت اور امور خانہ داری میں مہارت کی جانکاری لی جاتی ہے اور کچھ اسی قسم کا مزاج لڑکی والوں کا ہوتا ہے کہ وہ لڑکے کی زمین وجائیداد اور اس کا کاروبار دیکھتے ہیں۔ اس کے جسم کی ساخت، چہرہ بشرہ، قدوقامت کے ساتھ اس کی ہنرمندی وفنکاری کی تفتیش کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ دنیاوی اعتبار سے جو چیزیں ضروری ہیں وہ ایک ایک کر کے بڑی باریکی اور تسلی سے دیکھی جاتی ہیں اور اگر کسی چیز کی تلاش نہیں ہوتی ہے تو وہ ہے لڑکا اور لڑکی کی دینداری۔ اس طرف نہ تو لڑکی والوں کا خیال جاتا ہے اور نہ ہی لڑکے والوں کا۔ حالانکہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے تقویٰ وطہارت اور ایمانداری ودینداری بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیوں کہ دیگر تمام چیزوں کا اثر وقتی اور فانی ہے مگر دینداری کا اثر دائمی اور لافانی ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ۔ (بخاری شریف)

عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے اس کے خاندان کی وجہ سے، اس کی خوبصورتی کے سبب اور اس کی دینداری دیکھ کر تو تم دیندار کو ترجیح دو۔

حسن وجمال کے رسیا اور مال ودولت کے دلدادہ نوجوانوں کو متنبہ کرتے ہوئے سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں۔

لَاتَزَوَّجُوا النِّسَاءَ لِحُسْنِهِنَّ فَعَسىٰ حُسْنُهُنَّ يُرْدِيهُنَّ وَلَا تَزَوَّجُوهُنَّ لِاَمْوَالِهِنَّ فَعَسىٰ اَمْوَالُهُنَّ اَنْ تُطْغِيَهُنَّ وَلٰكِنْ تَزَوَّجُوهُنَّ عَلَى الدِّيْنِ وَلَاَمَةٌ خَرْمَاءُ سَوْدَاءُ ذَاتَ دِيْنٍ اَفْضَلُ۔

عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے شادی نہ کرو۔ ان کا حسن ان کو تباہی میں ڈال سکتا ہے اور نہ دولت کی بنیاد پر ان سے شادی کرو کیوں کہ ان کی دولت انہیں سرکشی میں مبتلا کرسکتا ہے بلکہ دینداری کی بنیاد پر شادی کیا کرو۔ کالی کلوٹی دیندار کنیز تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہورہا ہے کہ شادی کا معیار مال ودولت حسب ونسب اور حسن وجمال نہیں ہونا چاہئے بلکہ شادی کا اصل معیار دینداری اور تقویٰ وطہارت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے عملی طور پر اس کا نمونہ پیش کرکے ہمیں زندگی گزارنے کا شعور عطا کیا ہے۔ صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

ایک حیرت انگیز حقیقت: حضرت سعید ابن میتب ایک مشہور تابعی محدث ہیں۔ آپ کی صاحبزادی بڑی نیک طینت اور پاک سیرت تھی۔ اس کے زہد وورع کا شہرہ سن کر خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے لڑکے ولید کے لیے رشتہ بھیجا۔ مگر حضرت نے خلیفہ وقت کو صاف منع کردیا۔ جس کی وجہ سے خلیفہ آپ سے ناراض رہنے لگا۔ عبداللہ بن وداع نام کے ایک آدمی اکثر آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ کئی دنوں تک نہیں آئے۔ حضرت نے غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا حضور میری بیوی کا انتقال ہوگیا تھا اس لیے حاضر نہیں ہوسکا۔ آپ نے فرمایا تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے پھر تھوڑی دیر گفتگو ہوتی رہی جب وہ اٹھ کر جانے لگے تو آپ نے دریافت کیا، کیا دوسری شادی کرلی؟ انہوں نے جواباً عرض کیا حضور! اب مجھ جیسے

غریب آدمی کو کون اپنی لڑکی دے گا۔ اب تو میں بالکل مفلس و نادار ہو گیا ہوں!اب میری حیثیت دو چار پیسے کی بھی نہیں رہی۔ اتنا سننے کے بعد اسی مجلس میں آپ نے ان کی شادی اپنی اسی لڑکی سے کر دی جس کی خاطر خلیفہ وقت نے اپنے لڑکے کا پیغام بھیجا تھا۔ آپ نے اپنی ہی طرف سے رخصتی کا انتظام کر کے صاحبزادی کو روانہ کیا۔

پتہ چلا کہ دینداری کا خیال سب سے پہلے ہونا چاہیے۔ کیوں کہ تقویٰ شعار اور دیندار لڑکیاں اپنے گھروں کو نمونہ جنت بنا لیتی ہیں۔ اس کے برعکس دینی شعور سے نا آشنا لڑکیاں اپنے گھروں کو میدان کارزار بنا دیتی ہیں اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ آج معاشرہ میں ایسے خوشگوار اور تلخ تجربات آئے دن دیکھے جا سکتے ہیں۔

شوہر اور بیوی کے حقوق: حضرات! اسلام کی روشن تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں۔ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اسلام نے میاں بیوی دونوں پر جو حقوق عائد کیے ہیں اور زوجین کی خوشگوار زندگی کے لیے جو حیات آفریں اصول عطا کیے ہیں۔ وہ خوشگوار اور مسرت آمیز زندگی کے لیے نہایت کامیاب ہیں۔ تفصیلات سے قطع نظر چند بنیادی باتیں ملاحظہ کیجیے۔ قرآن مقدس کا ارشاد گرامی ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ. (پ ۲، ع ۷)

وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔ (کنز الایمان)

قرآن مقدس کی اس مختصر سی آیت میں جہان معنی کی جو جلوہ سامانیاں ہیں انسان اس پر جتنا بھی عش عش کرے وہ کم ہے۔ مردوں اور عورتوں کو لباس فرما کر تعلقات کی نزاکت کو جو وسعت و جامعیت عطا کی گئی ہے وہ کلام ربانی ہی کا حصہ ہے۔ خاص طور سے مردوں کے لیے حکم ہوا۔

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پ ۴، ع ۱۴) اور ان سے اچھا برتاؤ کرو۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (پ ۲، ع ۱۲)

اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق۔ (کنزالایمان)
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔
تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں۔
(مشکوٰۃ شریف ۲/۲۸۰)
کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت سے بغض ونفرت نہ رکھے کیوں کہ اگر عورت کی کوئی عادت بری معلوم ہوتی ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت پسند بھی ہوگی۔
(ایضاً ۲/۲۸۰)
حکیم بن معاویہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے کہا کہ انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہر شخص پر اس کی بیوی کا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ۔
جب تم خود کھانا کھاؤ تو اسے بھی کھانا کھلاؤ، خود کپڑے پہنو تو اسے بھی پہناؤ اور اس کے چہرے پر مت مارو۔ نہ اس کے ساتھ بدزبانی سے پیش آؤ اور نہ اسے اپنے گھر کے سوا کہیں اکیلا چھوڑو۔ (ابوداؤد)
عزیزان ملت اسلامیہ! اسلام نے شاہراہ حیات پر خوش اسلوبی سے گامزن رہنے کے لیے جہاں مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن وسلوک رواداری ودلجوئی اور الفت ومحبت کا حکم دیا ہے وہیں پر عورتوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت گزار وفرمانبردار بن کر رہیں۔ ان کی خدمت اپنے لیے باعث سعادت اور نجات اخروی کی ضمانت سمجھیں۔ مرد کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی خادمہ بن کر رضائے مولیٰ کی جستجو میں لگی رہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔
لَوْكُنْتُ اٰمُرُ اَحَداً اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرأَةَ اَنْ يَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔ (ترمذی)
اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ غیر خدا کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کرے۔

بہترین بیوی کی خصوصیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

خَیْرُ النِّسَاءِ الْاُمَّتِی تَسُرُّ زَوْجَهَا اِذَا نَظَرَهَا وَتُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَهَا وَلَا تُخَالِفُهٗ فِیْ نَفْسِهَا وَلَا فِیْمَا لَهَا بِمَا یَکْرُهُ۔ (بیہقی)

میری امت میں سب سے اچھی عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کردے جب وہ کوئی حکم کرے تو وہ فرمانبرداری کرے اور اپنے مال و جان میں کوئی ایسا کام نہ کرے جو اسے ناگوار محسوس ہو۔

شوہر کی اطاعت کا ثمرہ: عورت اگر اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کرتی ہے تو اس کا صلہ اسے کتنا عظیم ملتا ہے۔ اسے جاننے کے لیے خیر القرون کا وہ واقعہ ملاحظہ کیجیے جسے حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "احیاء العلوم" میں نقل کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ایک شخص سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اپنی بیوی کو تاکید کر گیا کہ جب تک میں واپس نہ آجاؤں تم چھت سے نیچے نہ اترنا۔ بیوی نے وعدہ کرلیا اور شوہر سفر پر روانہ ہوگیا۔ ادھر عورت کے باپ کی طبیعت خراب ہوگئی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بچنے کی امید باقی نہ رہی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک قاصد بھیج کر پوری کیفیت بیان کرنے کے بعد اپنے باپ کی تیمارداری و عیادت کے لیے جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا۔ اس خاتون سے کہو کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ وہ نیک بخت خاتون ہزار آرزوؤں کے باوجود گھر سے باہر قدم نہ نکال سکی۔ یہاں تک کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ وفور جذبات سے لبریز ہوکر اس نے دوسری مرتبہ پھر اجازت طلب کی تاکہ باپ کے چہرہ کی آخری زیارت کر سکے۔ مگر بارگاہ رسالت سے پھر وہی جواب ملا کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ القصہ مختصر اس کے باپ کی تجہیز و تکفین ہوگئی۔ لوگوں نے اسے شہر خموشاں پہنچا دیا مگر وہ عورت اپنے شوہر کی

اطاعت میں باپ کے چہرہ کا آخری دیدار نہ کر سکی۔

اس خاتون کے اس جذبہ اطاعت وفرمانبرداری کا حال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے کہلا بھیجا۔ تو نے اپنے شوہر کی جو فرمانبرداری کی ہے اس سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو بخش دیا ہے۔

سبحان اللہ! یہ ہے اسلام کے اس مقدس اور پردہ نشیں خاتون کا کردار جو اپنے عمل سے اپنے باپ کو جنت کی حسین وادیوں میں پہنچا رہی ہے۔ اور ایک آج کل کی ماڈرن اور بے پردہ عورتوں کا کردار یہ ہے کہ اپنے شوہروں کو پاگل خانہ اور جیل کی کالی کوٹھریوں میں بھیج رہی ہیں۔ جیسا کہ اس رپورٹ سے ظاہر ہے۔

"دنیا میں پاگل پن کی سب سے بڑی وجہ جھگڑالو بیویاں ہیں کسی نے اس حقیقت کی تفصیل چاہی تو اس نے بتایا کہ اڑتالیس فیصد پاگل مرد اپنی جھگڑالو بیویوں کی وجہ سے پاگل ہوئے ہیں۔ کیوں کہ یہ مرد حساس ہوتے ہیں اس لیے وہ نہ تو اپنی بیوی کو زدوکوب کرتے ہیں اور نہ جھڑکتے ہیں جس کا لازمی اثر ذہنی پریشانیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اس نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کہا یہی وجہ ہے کہ مردوں کی نسبت عورتیں کم پاگل ہوتی ہیں" (ماہ طیبہ پاکستان جولائی ۱۹۶۳ء)

دین اور مذہب کی پاسداری عورت کو اپنے شوہروں کا ادب واحترام سکھاتی ہے اور ماڈرن تہذیب عورت کو اپنے شوہر سے لڑنا جھگڑنا سکھاتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ چنانچہ ایک لطیفہ سنیے۔

لطیفہ: ایک بار پولیس اسٹیشن کا فون بہت زور سے بجنے لگا۔ انسپکٹر نے ریسیور اٹھایا۔ آواز آئی ہیلو، ہیلو!!! میں فرحت بلڈنگ سے بول رہا ہوں۔ یہاں ساتویں منزل پر ایک عورت اپنے شوہر کو پیٹ رہی ہے۔ پولیس بھیج کر اس بیچارے کو بچائیے۔ پولیس نے کہا بہتر جناب ابھی بھیجتا ہوں مگر یہ تو بتائیے آپ کون ہیں؟ اس عورت کا مظلوم شوہر اور کون! یہ ہے خالص انگریزی تعلیم، مذہب بے زاری اور آزادی نسواں کا حسین تحفہ!

دعوت ولیمہ: آج کل شادی بیاہ کے موقع پر شرعی اصول وقوانین اور دینی غیرت وحمیت کا جنازہ جس بے دردی سے نکالا جا رہا ہے اس پر سوائے ماتم کے اور کیا کیا جا سکتا ہے! بارات کے نام پر انسانیت وشرافت کی جو دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر شیطان بھی مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یہ سارے کام ترقی اور تہذیب کے نام پر کیے جاتے ہیں۔ تعلیم اور تمدن کے نام پر کئے جاتے ہیں۔ بلندی خیالی اور روشن مزاجی کے نام پر کیے جاتے ہیں۔ حد یہ کہ دعوت ولیمہ جو سنت ہے اور حدیث پاک میں جس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ ولیمہ کرو اگر چہ ایک بکری ہی سے ہو (بخاری ومسلم) اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے بھی ولیمہ کا کھانا کھلانا ثابت ہے۔

مگر افسوس کی بات ہے کہ آج کل بہت ساری جگہوں پر تو اس سنت پر عمل ہی نہیں ہے اور کچھ علاقوں میں یہ طریقہ رائج تو ہے مگر مسلمان اسے جس طرح سے اپناتے ہیں اس سے سنت کی روح لہولہان نظر آتی ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ سنت کی طرف نسبت کرتے ہوئے ایمانی غیرت تلملا اٹھتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"برا کھانا ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں مالدار لوگ بلائے جاتے ہیں اور فقرا چھوڑ دیے جاتے ہیں"۔

اس حدیث پاک کے پیش نظر مسلمانوں کے کردار وعمل کا جائزہ لیجیے تو یقیناً آپ کو پتہ چل جائے گا کہ آج اس موقع پر شہر کے مالداروں اور گاؤں کے سرمایہ داروں کو تو چن چن کر بلایا جاتا ہے۔ ان کی آمد پر پلکیں بچھائی جاتی ہیں ان کی خوب خوب خاطر مدارات کر کے واہ واہی لوٹی جاتی ہے اور فقیروں کو اس گلی سے گزرنے پر بھی پابندی لگادی جاتی ہے چہ جائے کہ انہیں کھانے کے لیے مدعو کیا جائے اور تو اور

حیرت تو اس وقت اور سر دھننے لگتی ہے جب یہ بات سننے میں آتی ہے کہ شہرت وناموری کے یہ متوالے اپنے غریب رشتہ داروں کو بلانا کسر شان سمجھتے ہیں اور ان میں سے اکثر و بیشتر کونظر انداز کر جاتے ہیں۔

مغرب کی تقلید: دوسری بات جو اس قسم کی دعوتوں میں جڑ پکڑتی جارہی ہے وہ ہے مغرب کی اندھادھند تقلید۔ وہ مغربی تہذیب جس کے زیر اثر آج انسان سے انسانیت کوسوں دور جاپڑی ہے۔ وہ مغربی تہذیب جس میں نہ شرم ہے نہ حیا، نہ غیرت ہے نہ حمیت، نہ پاس ادب ہے اور نہ احترام انسانیت۔ نہ وقار زندگی ہے اور نہ پیام بندگی۔ اسی مغربی تہذیب کی تقلید نے مسلمانوں کو عقلی دیوالیہ بنادیا ہے۔ مغربی سماج نے انسانی طریقہ کو لات مار کر جانوروں کی طرح کھڑا ہو کر کھانا شروع کر دیا ہے آج مسلمانوں کے یہاں بھی اسی روش پر عمل ہو رہا ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کلمہ کی عظمت کو مجروح کرنے والے یہ نام نہاد مسلمان اسی میں فخر محسوس کررہے ہیں۔ اسی کو ترقی کا نام دے رہے ہیں۔ اسی کو زمانہ کی روش کہہ کر اپنا سرفخر سے بلند کرنے کی ناپاک کوشش کررہے ہیں۔

اے مسلمانو! قرآن وحدیث کی روشنی میں ذرا اپنے کردار و عمل کا جائزہ لے کر دیکھو اور سیرت رسول کے آئینہ میں اپنی سیرت پرکھ کر دیکھو۔ پھر شاید کہیں تمہیں احساس ہو کہ۔

کون ہے تارک آئین رسول مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
روح میں سوز نہیں قلب میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

ارے میرے دینی بھائیو اور بزرگو! ذرا سوچو تو صحیح کہ کیا ترقی اسی کا نام ہے کہ انسان انسانی رہن سہن اور وضع قطع بھول کر جانوروں کا طریقہ اپنالے؟ میرے خیال سے کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اسے ترقی نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ یہ تو پرلے درجہ

کی حماقت و بے وقوفی اور ذلت و پستی ہے۔ میرے بزرگو! اگر آپ کو ترقی کی جلوہ سامانی دیکھنی ہے اگر آپ کو ترقی کی روشن شاہراہ دیکھنی ہے اگر آپ کو ترقی و بلندی کا حسین مینار دیکھنا ہے تو یہ آپ کو یورپ و امریکہ کی فلک بوس عمارتوں، بلند و بالا بلڈنگوں اور نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے پارکوں میں نہ ملے گا بلکہ حقیقی ترقی کے انمول جواہر آپ کو مکہ کی گزرگاہوں اور مدینہ کی گلی کوچوں میں ملیں گے۔ اس لیے اپنا آئیڈیل یورپ و امریکہ کو نہ بناؤ بلکہ مدینہ کے تاجدار کو بناؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کو اپناؤ۔

ہمیں کرنی ہے شہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

تعدد ازواج کی حکمت: حضرات! اسلام کسی وقتی تحریک یا جذباتی مشن کا نام نہیں۔ بلکہ یہ ابدی منشور حیات اور دائمی تحریک اصلاح اعمال و افعال کا نام ہے۔ اس کے تمام اصول و ضوابط انسانی ضروریات کے ارد گرد گردش کرتے ہیں۔ فطرت جن چیزوں کا انتخاب کرتی ہے اسلام ان پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ فطرت جس چیز کا تقاضا کرتی ہے اسلام کے دامن میں اس کی خوشبو موجود ہے۔ اسلام کی یہی وہ خصوصیت ہے جو چودہ سو سال بعد بھی اپنی پوری آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ باقی ہے اور وہ ہمیشہ پھلتا پھولتا اور چمکتا دمکتا نظر آ رہا ہے۔ اسلام اپنے فطری قوانین اور حیات بخش دستور کی بنیاد پر روز بروز مسکراتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے اور کشور دل پر اپنی فتح و کامرانی کے پرچم نصب کرتا جا رہا ہے۔

لیکن حضرات اسلام کی یہ پیش رفت کچھ عاقبت نا اندیش اور متعصب لوگوں کی آنکھ کا کانٹا بنا ہوا ہے۔ وہ اخلاق و دیانت کے تمام اصولوں کو روند کر اسلام کی اس پیش رفت کو روکنے کی ناپاک کوششیں کر رہے ہیں۔ اسلام کے رخ تاباں کو جن بہت سے ناپاک حملوں سے مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام نے ایک مرد کو چار چار بیوی رکھنے کا اختیار دے کر مردوں کو بے لگام اور

عورتوں کو مجبور کردیا۔ ایک مرد کے قبضہ میں چار عورتیں کر کے اسلام نے مساوات انسانی کا گلا گھونٹ دیا۔ اسلام عورتوں پر ظلم وزیادتی کا داعی اور صنف نازک کے استحصال کا نقیب ہے۔

مگر حضرات! اسلام کے ان مخالفین نے اگر ذرہ برابر انصاف کا دامن تھاما ہوتا تو ان کے خیالات کا شیش محل چکنا چور ہو جاتا۔ اگر کبھی ٹھنڈے دل سے اپنے گریبان میں جھانکا ہوتا تو اس قسم کی لب کشائی کی جرأت نہ کرتے۔ مگر جب انہوں نے یہ حماقت کر ہی لی ہے تو آیئے میں آپ لوگوں کے سامنے ان کے بزرگوں کی تاریخ پیش کر کے یہ ثابت کردوں کہ چند بیویاں رکھنا اسلام کی ایجاد ہے۔ یا اس سے پہلے کا رواج ہے؟

اسلام سے پہلے تعدد ازواج کا وجود: اسلام کی آمد سے پہلے دنیا کے دیگر حصوں سے صرف نظر کرتے ہوئے جب ہم اس بھارت کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اپنے برادران وطن کے بزرگوں اور دیوتاؤں کی زندگی کے حالات پڑھ کر حیرت کے سمندر میں ہچکولے کھانے لگتے ہیں۔ کیوں کہ بظاہر دل ماننے کو تیار نہیں مگر مستند حوالجات کی گرفت بہر حال ان حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

بالمیکی رامائن کے مطابق جناب رام کے والد راجہ دشرتھ کے محل میں تین سو ترپن رانیاں تھیں۔ جناب ہنومان کی سولہ بیویاں تھیں۔ پتر انی سنہتا کے مطابق منوجی کی دس بیویاں تھیں۔ کرشن جی کی مخصوص بیویوں کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے۔ نیز ان کی دوسری مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ ہریش چندر کی سو بیویاں تھیں اور اندر جی کے پاس بھی متعدد بیویوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرات اسے کہتے ہیں۔

ہوش کھوتا جائے ہے پردہ سا اٹھتا جائے ہے

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ ہیں ان کے مہاپرشوں کے روشن کارنامے جو اسلام کے مقدس قانون کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ جو اسلام کے حیات آفریں دستور کے کی

مذمت کررہے ہیں جو اسلام کی انسانیت نواز تعلیم کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں اور جو اسلام کے پاکیزہ نظریات کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنا کر دنیا کو ان سے مستفیض ہونے سے محروم کررہے ہیں۔ مگر شاید انہیں معلوم نہیں کہ۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

تعدد ازواج اسلام کی نگاہ میں: اسلام جس سرزمیں سے نمودار ہوا اس کا نام مکہ معظمہ ہے۔ اس دور کی مکہ کی معاشرتی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس دس دس، بیس، بیس بلکہ ان سے بھی زیادہ بیویاں ہوا کرتی تھیں ان کے علاوہ باندیوں کی تو کوئی گنتی ہی نہ تھی۔ اتنی بیویاں اور باندیاں رکھنے والے اگرچہ سماج کے امیر رئیس اور سردار لوگ ہوا کرتے تھے مگر ان کی ہم سری اور برابری کرنے والے کچھ مفلس وقلاش لوگ بھی صنف نازک کو اپنی زوجیت میں لانے میں حرج نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ کام ان کے نزدیک فخر وسر بلندی کا ذریعہ تھا۔ حالانکہ وہ عورتیں ان مردوں کے زیر تصرف نہ تو اپنی خواہشات کی تکمیل کر پاتی تھیں اور نہ ہی ضروریات زندگی پوری کر پاتی تھیں۔ جس کی وجہ سے معاشرہ میں بدکاری اور بے راہ روی عام ہو چکی تھی۔ اسلام کے ورود کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کو صاف ستھرا اور عورتوں کو پرسکون وباوقار زندگی عطا کرنے کے لیے زیادہ بیوی رکھنے پر سخت پابندی لگادی۔ اب کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ چار سے زائد بیوی رکھے۔ اس قانون کا فائدہ یہ ہوا کہ جن کے پاس زیادہ بیویاں تھیں انہوں نے ان سے اپنا معاملہ صاف کرلیا اور جن کے پاس چار تھیں وہ آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرسکے۔

حدیث شریف میں اس وقت کے حالات کا تذکرہ اس انداز میں ملتا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا اس کے نکاح میں ایام جاہلیت کی نو عورتیں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے

فرمایا ان میں سے چار رکھ لو باقی کو علیحدہ کر دو۔ (ترمذی شریف)
ان ہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا اس کے پاس پانچ عورتیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کو علیحدہ کر دو۔ (مشکوۃ شریف)
معزز سامعین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ زمانہ کیسا تھا اور اس وقت عرب کے لوگوں کی ذہنیت کیسی تھی۔ جہاں پندرہ پندرہ اور بیس بیس عورتوں کے علاوہ ان گنت کنیزیں رکھی جاتی ہوں انہیں صرف اور صرف ایک کا پابند کرنا نہ عقل کے نزدیک درست ہے اور نہ ہی فطرت اس بات کی اجازت دے سکتی ہے۔ اس لیے اسلام نے انہیں زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی اجازت دے کر سختی سے اس کا پابند کیا۔

چند بیویوں کے درمیان انصاف نہ کرنے پر وعید:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور ان میں انصاف نہ کر سکے تو قیامت کے دن اس کے اوپر کا حصہ جھڑا ہوا ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)
اب بھلا بتایا جائے جب بیویوں کے درمیان کھانے پینے رہنے سہنے حتی کہ رات میں سونے میں بھی برابری ضروری ہے تو یہ عورتوں کے اوپر ظلم ہے یا احسان؟
اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھ تو صحیح

چند بیویاں معاشرتی نقطہ نظر سے: اگر سماجی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی چند عورتوں کی اجازت معیوب نہیں کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جس عورت سے شادی کرتا ہے قدرتی طور پر اس میں بچہ جننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اب ایسی صورت میں آدمی اگر اس عورت کو طلاق دے دے تو اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ لہٰذا اسے اپنے نکاح میں رکھتے ہوئے دوسری عورت سے شادی کر لیتا ہے تا کہ اس کی نسل باقی رہ سکے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شادی کے وقت عورت تندرست وتوانا اور صحتمند ہوتی ہے مگر کچھ دنوں بعد اسے ایسی بیماری لاحق ہو جاتی ہے کہ اب وہ شوہر کی خدمت کے لائق نہیں رہ جاتی ایسی صورت میں

آدمی کے لیے دوسری شادی ضروری ہو جاتی ہے۔

کبھی کوئی قیامت خیز جنگ چھڑ جائے جو ان گنت لوگوں کو موت کی نیند سلادے۔ نوجوانوں کے تڑپتے ہوئے خون کو سرد کردے۔ سہاگنوں کا سہاگ اجاڑ دے۔ بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ بنادے۔ اور کچھ دنوں بعد جب جنگ کے بادل چھٹ جائیں اور لوگ ازسرنو اپنی زندگی کی تگ ودو میں سرگرداں ہوں تو انہیں مردوں کی جگہ عورتوں کی بھیڑ نظر آئے۔ ایسی ہنگامی صورت میں عورتوں کی کفالت کون کرے۔ ان کے غموں کا بوجھ ہلکا کون کرے۔ ان کی زندگیوں میں خوشی کے دیپ کون جلائے؟

ایسے عالم میں اسلام کے ماننے والے اپنے مذہبی قانون کا سہارا لے کر آگے بڑھے کہ ان بچوں کا داغ یتیمی ہم مٹائیں گے۔ ان عورتوں کی زندگی میں خوشی کے چراغ ہم جلائیں گے۔ ہمارے اسلام نے چار عورتوں سے شادی کی اجازت ہمیں انہیں وقتوں کے لیے دی ہے۔

پتہ چلا کہ اسلام کے تعدد ازواج کا نظریہ عورتوں پر ظلم وزیادتی کا منحوس سایہ نہیں بلکہ باوقار زندگی کی علامت اور پرمسرت حیات کا نشان ہے۔

طلاق اسلام کی نظر میں: محترم سامعین کرام! شریعت اسلامیہ کے روح پرور قوانین کی روشنی میں آپ نے نکاح کی جزوی تفصیلات ملاحظہ کی۔ اب اسی کے ساتھ طلاق کی حقیقت بھی ملاحظہ کرلیجیے تاکہ دل ودماغ کے بند دریچے کھل جائیں اور شکوک وشبہات کی چنگاری بجھ جائے۔

نکاح دو دلوں کے جوڑنے کا نام ہے اور **طلاق** جوڑے ہوئے دلوں کے ٹوٹنے کا نام ہے۔

نکاح الفت کی فراوانی کا نام ہے اور **طلاق** عداوت کی چنگاری کا نتیجہ ہے۔

نکاح محبت کا آبشار ہے اور **طلاق** عداوت کا شعلہ جوالہ ہے۔

نکاح باوقار زندگی کی علامت ہے اور **طلاق** شرمسار زندگی کی نشانی ہے۔

نکاح گناہوں کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور **طلاق** بدنگاہی کا محرک ہے۔
نکاح دین وایمان کی صیانت کا حصار ہے اور **طلاق** اس حصار کو توڑنے کا نام ہے۔
نکاح پاکیزہ زندگی کی پہچان ہے اور **طلاق** اس پاکیزگی پر ایک بدنما داغ ہے۔
نکاح معاشرتی اچھائی کا آئینہ ہے اور **طلاق** سماج کی برائی کا آئینہ ہے۔
نکاح خیالات کی طہارت وستھرائی کا سبب ہے اور **طلاق** خیالات کی پراگندگی کا ذریعہ ہے۔
نکاح آبادی کا دوسرا نام ہے اور **طلاق** بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

حضرات! اسلامی دستور کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر شادی کے بعد عورت مرد یا مرد عورت کے لائق نہ رہ جائے یا میاں بیوی کے درمیان نااتفاقی پیدا ہو جائے اور تمام ممکنہ کوششوں کے باوجود اتفاق اور میل ملاپ کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو ایسی صورت میں مرد کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنی زندگی سے باہر کر سکتا ہے۔ روز گھٹ گھٹ کر مرنے سے بہتر ہے کہ ایک مرتبہ راستہ صاف کر لیا جائے۔ اس طرح اسلام نے "طلاق" کی صورت میں پرسکون زندگی کا بہترین راستہ تجویز کر دیا۔ اسلام کے اس تجویز پر عمل کر کے ہزاروں اپاہج اور مفلوج زندگیاں سکون کا سانس لے رہی ہیں۔

مگر برا ہو عصبیت وتنگ نظری کا کہ اسلام کے مخالفین نے اسے اپنے مکروہ پروپیگنڈہ کا ہتھکنڈہ بنالیا اور کہنا شروع کر دیا کہ اسلام مردوں کو طلاق کا اختیار دے کر عورتوں پر ظلم کر رہا ہے مرد اس اختیار کا فائدہ اٹھا کر عورتوں کو ذرا ذرا سی بات پر اپنی زندگی سے الگ کر دیتے ہیں۔ طلاق کا اختیار اگر مردوں کو دیا گیا ہے تو عورتوں کو کیوں نہیں؟

حضرات! یہ ان لوگوں کی بکواس ہے جو طلاق کی ظاہری صورت دیکھ کر اسلام کے روشن چہرہ پر غبار اڑا رہے ہیں۔ ورنہ اگر یہ لوگ اسلامی قانون سمجھنے کی کوشش کرتے تو ہرگز ایسی جسارت نہیں کرتے۔ کیوں کہ اسلام نے اگر مردوں کو طلاق کا

مختار بنایا ہے تو یونہی اسے بے لگام نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ انہیں کچھ بندھنوں میں جکڑ کر اختیار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے! اسلامی قانون اور ماتم کیجیے ان لوگوں کی سوچ پر جو بغیر حقیقت کی تہہ تک پہنچے اسلام کے خلاف لب کشائی کی جسارت کر لیتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال کاموں میں سب سے ناپسندیدہ (کام) خدا کے نزدیک طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو بھیجتا ہے اور سب سے بڑا رتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے۔ جس کا فتنہ بڑا ہوتا ہے ان میں سے ایک آکر کہتا ہے میں نے یہ کیا میں نے یہ کیا ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔ دوسرا آتا ہے تو وہ کہتا ہے میں نے مرد و عورت کے درمیان جدائی کرا دی اسے اپنے قریب لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو ہے۔ (احمد)

پتہ چلا اسلام میں طلاق کی اجازت ہے مگر یہ کام محبوب و پسندیدہ نہیں بلکہ مذموم و ناپسندیدہ ہے۔ اجازت دی گئی ہے مصلحت کے پیش نظر۔ زندگی کی کڑواہٹ ختم کرنے کے لیے فتنہ و فساد کا دروازہ بند کرنے کے لیے اور اختلاف و انتشار کے سدباب کے لیے نیز اس اختیار کے طریقہ استعمال پر جب نگاہ پڑتی ہے تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (پ۲، ع۱۳) یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ (کنزالایمان)

مرد اگر اپنے اختیار طلاق کو کام میں لیتے ہوئے ایک ہی مرتبہ میں کہہ دے کہ میں نے تجھے تین طلاق دی تو اتنا کہہ دینے سے طلاق ہو جائے گی مگر یہ طریقہ نہایت برا ہے۔ طلاق اگر دینے کی نوبت ہی آجائے تو اسلامی اعتبار سے بہتر

طریقہ یہ ہے کہ جس طہر میں وطی نہ کی ہو اس میں ایک طلاق رجعی دے اور چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے اسے عند الشرع طلاق احسن کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اسلام نے اسی طریقے کو اپنانے پر زور دیا ہے تا کہ زوجین کے درمیان صلح ومصالحت کا دروازہ کھلا رہے اور مصالحت کی صورت میں کسی طرح کی پریشانی وشرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

جہاں طلاق کا دستور نہیں: عزیزان ملت اسلامیہ اور معزز سامعین کرام! اسی کے ساتھ آپ ذرا مشاہدات کی دنیا میں قدم رکھ کر اس سماج کا بھی جائزہ لے لیجئے جس میں طلاق کا تصور نہیں۔ آج اس سماج میں کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ شادی کے نام پر چکر کھا لینے کے بعد اب کسی بھی صورت میں جدائی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ چاہے مرد قدرتی طور پر نا اہل ہی کیوں نہ ہو اب چار و ناچار جو صورتیں اختیار کی جا رہی ہیں وہ کبھی گلے میں پھانسی کا پھندہ ہے۔ کبھی جسم نازنین کو پٹرول اور کراسن تیل کے حوالے کرنا ہے۔ کبھی ٹرین کے نیچے آنا اور کبھی کسی پسندیدہ کے ساتھ فرار ہونا ہے۔ کیا یہ طریقے عورت اور اس کے خاندان کی عزت میں چار چاند لگاتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟

اور حضرات اب تک جو لوگ اسلام کے نظام طلاق اور طریقہ طلاق کا مذاق اڑاتے آئے ہیں ان کے پیروکاروں کی اکثریت کچہری کے دروازے کھٹکھٹا رہی ہے اور وہ اپنے سماجی و مذہبی قانون کے بل بوتے نہیں تو کم از کم کورٹ ہی کی بدولت راحت کی سانس لے رہے ہیں۔ غیر اختیاری طور پر یہ اسلام کی تقلید نہیں تو کیا ہے؟

آنکھ والا تیری جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

طلاق کا اختیار مردوں ہی کو کیوں؟ کچھ لوگ اپنی ناسمجھی

سے اس بات سے نالاں ہیں کہ اسلام نے طلاق کا اختیار صرف مردوں ہی کو کیوں دیا۔ عورتوں کو کیوں نہیں؟ تو حضرات اسلام کے پاس اس کا بھی جواب ہے۔ چونکہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں صبر وضبط اور تحمل و برداشت کا مادہ کم ہوتا ہے اس لیے ان کے ہاتھوں میں زندگی کی باگ ڈور دینا نہ تو معاشرتی اعتبار سے درست ہے اور نہ ہی عقلی اعتبار سے۔ اس لیے اسلام نے ان تمام پہلوؤں پر غور وفکر کر کے مرد ہی کو اس کا اختیار دیا۔ اگر عورتوں کو طلاق کا اختیار دے دیا جائے تو معاشرہ کا نظام درہم برہم اور مردوں کی زندگی اجیرن ہو جائے۔

جہاں عورتوں کو بھی طلاق کا اختیار ہے: حضرات! ذرا نظر اٹھا کر ان ملکوں کے حالات کا جائزہ لیجئے جہاں ان کی خواہشوں احترام کیا جاچکا ہے۔ مرد و عورت کے درمیاں برابری کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے عورتوں کو بھی الگ ہونے کی کھلی چھوٹ مل چکی ہے ان ملکوں کا حال یہ ہے کہ وہاں معاشرہ کا نظام تہہ و بالا ہو چکا ہے۔ مردوں کی زندگی دشوار گھر کا چین وسکون غارت اور دماغی اضطراب واضمحلال کا انبار ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

ایک عورت اور نو شادیاں: پیرس کی ایک عورت میڈم ویندری نے اپنے خاوند سے طلاق لے کر کسی دوسرے سے شادی کر لی۔ پھر اس سے بھی طلاق لے کر کسی تیسرے سے شادی کر لی پھر اس تیسرے سے بھی نبھ نہ سکی۔ اس سے بھی طلاق لے کر چوتھے سے کی پھر چوتھے سے طلاق لے کر پانچویں سے چھٹے سے ساتویں پھر آٹھویں اور نویں سے مگر میڈم ویندری کا نباہ نویں خاوند سے بھی نہ ہو سکا اور اس سے بھی طلاق لے لی۔ یکے بعد دیگرے نو خاوندوں سے طلاقیں حاصل کرنے کے بعد اس نے پھر اپنے پہلے خاوند کے ساتھ جس سے الگ ہوئے اسے بیس سال ہو چکے تھے۔ شادی کرنے کے لیے درخواست دے دی۔ اس پہلے خاوند سے طلاق اس نے طبیعتوں کے اختلاف کی بنا پر لی تھی۔ یکے بعد دیگرے نو شادیاں کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس نے پہلے خاوند سے طلاق لے کر غلطی

کی تھی چنانچہ اس نے منظوری حاصل کر کے اپنے پہلے خاوند سے پھر شادی کر لی اور بیان یہ دیا کہ ہماری پہلی شادی اس لیے ناکام ہوئی تھی کہ ہمیں تجربہ نہیں تھا۔ میں نے اپنے خاوند سے طلاق حاصل کرنے کے بعد اس کی خوبیوں کو محسوس کرنا شروع کیا۔

دیکھئے مغرب کی یہ آزادیاں

ایک عورت اور نو نو شادیاں

(یورپ کی خبر ماہ طیبہ پاکستان مارچ ۱۹۶۵ء، بحوالہ عورتوں کی حکایات صفحہ ۳۴۲)

خلع کی حقیقت: اسلام نے عورتوں کے حقوق کا کہیں بھی گلا نہیں دبایا ہے جیسا کہ اس مقام پر بھی واضح ہے کہ اسلام نے ناگزیر حالات اور مشکل اوقات میں عورتوں کی خلع کی اجازت دے کر گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والوں کے منہ پر تالا لگایا ہے۔ اگر عورت کو مرد سے کوئی شکایت ہو کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ نہ ہو سکے اور مرد اس کو چھوڑنے کے لیے تیار بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر کو کچھ مال و دولت کا لالچ دے کر اس سے طلاق حاصل کر لے اس بات کی اجازت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاخُذُوْا مِمَّا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا اِلَّا اَنْ یَّخَافَا اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.

اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہیں حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی لے یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (کنز الایمان)

حدیث پاک میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! ثابت بن قیس کے اخلاق و دین کی نسبت مجھے کچھ کلام نہیں (ان کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور دیندار بھی ہیں) مگر اسلام میں کفران نعمت کو میں پسند نہیں کرتی (یعنی بوجہ خوبصورت نہ ہونے کے میری طبیعت ان کی طرف مائل نہیں ہوتی) ارشاد فرمایا اس کا باغ (جو مہر میں تجھ کو دیا ہے تو واپس کردے گی عرض کیا ہاں حضور نے ثابت بن قیس سے فرمایا باغ لے لو اور طلاق دے دو۔ (بخاری و مسلم)

معزز سامعین کرام! ان تمام حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام نے انسانی برادری کی عزت وقار کے مدنظر دنیا والوں کو ایسے قوانین عطا کیے ہیں جن کی مثالیں مذاہب عالم میں ناپید ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو اسلام کسی ایک دور اور کسی ایک خطے کا مذہب نہیں بلکہ پوری کائنات اور سارے عالم کا مذہب ہے۔ اس لیے اس میں ہر شخص کی ضرورت بدرجہ احسن موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام اپنے ذاتی حسن و کمال کی بنیاد پر بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے اور ان شاء اللہ بڑھتا ہی رہے گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اسلام اور پردہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاۤءِ وَالطِّيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (پ۱۸، ع۱۰)

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔ (کنزالایمان)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

صدر باوقار علماء ذوی الاحترام وحاضرین بزم! سب سے پہلے ہم اور آپ مل کر ساری کائنات کے آقا و مولیٰ سرور کونین سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْحَبِيْبِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔

اسلام دنیا کا وہ پاکیزہ مذہب ہے جس کی آمد سے دنیا کے باطل خیالات کی دھجیاں اڑ گئیں۔ غیر اخلاقی نظریات دم توڑنے لگے اونچ نیچ کی دیوار زمین بوس ہوگئی۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور ذات برادری پر تفاخر کا صنم پاش پاش ہوگیا۔ اسلام کے قانون عدل ومساوات نے کراہتی ہوئی انسانیت کو مسرتوں کا پیکر اور قہقہوں کا گہوارہ بنادیا۔ اسلام نے معصوم بچیوں کے سروں پر دست شفقت رکھ کر انہیں زندگی کی رعنائیوں اور حیات کی بہاروں کا تحفہ پیش کیا عورتوں پر ہونے والے مظالم کا سد باب کر کے صنف نازک کو جینے کا حوصلہ اور زندگی کا سلیقہ عطا کیا۔ اس کے مقام ومرتبہ کو زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر پہنچایا۔ اس کی

عفت و پاک دامنی کی حفاظت کر کے اسے تقدس کا شیش محل بنا دیا۔ معاشرہ کی ایک قابل نفرت و ملامت شے کو معاشرہ کی جبیں افتخار کا سہرا بنا دیا۔

اسلام نے عورتوں پر جو احسانات کیے ہیں تاریخ عالم اور مذاہب عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اسلام نے اس وقت حقوق نسواں کی حفاظت وصیانت کا عملی کارنامہ انجام دیا جس وقت یورپ و امریکہ کو تہذیب و تمدن کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ مگر آج پریس اور میڈیا کی بدولت بزعم خویش یہی لوگ حقوق نسواں کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ''حقوق نسواں'' کے نام پر عورتوں کو بلیک میل اور دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں ان عیار لوگوں نے عورتوں کو آزادی نسواں کا پرفریب نعرہ دے کر عورتوں کو گھر کی چہار دیواری سے نکال کر ہوٹلوں اور کلبوں میں پہنچا دیا۔ افسوں اور تفریح گاہوں کی زینت بنایا۔ دوکانوں اور بازاروں کی رونق بنایا۔

ان بے چاری عورتوں نے جب دنیا کی چمک دمک دیکھا تو کہا یہ اچھا ہے۔ عورتوں نے دنیا کی رنگینیوں کو دیکھا تو کہا اچھا ہے۔ عورتوں نے دنیا کی رعنائیوں کو دیکھا تو کہا یہ اچھا ہے۔ دنیا کی جاذبیت کو دیکھا تو کہا یہ اچھا ہے۔ دنیا کی دلفریبیوں کو دیکھا تو کہا یہ اچھا ہے۔ عورتوں نے اس کی ظاہری زیب و زینت اور رنگ و روغن کو دیکھ کر کہا یہ تو بہت اچھا ہے۔ اس کے بعد اس نے مردوں کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ ہوٹلوں میں بھی ساتھ ہے اور کلبوں میں بھی ساتھ ہے۔ دوکانوں میں بھی ساتھ ہے اور بازاروں میں بھی ساتھ ہے۔ ہر جگہ ساتھ ہے ہر مقام پر ساتھ ہے اور ہر ماحول میں ساتھ ہے۔

حضرات! مرد و عورت کے اس میل جول میں جو گل کھلائے ہیں اس کی داستان عبرت نشان آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا کر جائے گی

عورت گھر کی چہار دیواری سے کیا نکلی کہ گھر کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ خاندان کا وقار نیست و نابود ہو گیا۔ معاشرہ کی عزت وعظمت خاک میں مل گئی۔ لوگوں کا چین وسکون غارت ہو گیا۔ فکر ونظر کا زاویہ بدل گیا سوچنے سمجھنے کا انداز بدل گیا اور حد تو یہ ہے کہ الفت ومروت کا پیمانہ بدل گیا۔

کن سے کتنا پردہ؟ اس سلسلے میں شریعت اسلامیہ کا نظریہ بالکل واضح ہے شریعت کا حکم یہ ہے کہ جن لوگوں سے شادی جائز ہے ان سے مکمل پردہ ضروری ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو نامحرم کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو محارم نسبی کی فہرست میں ہیں ان سے پردہ نہیں اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو محارم غیر نسبی ہیں یعنی کسی سبب سے ان سے شادی حرام ہے مثلاً سسرالی رشتہ کی وجہ سے یا دودھ کے رشتہ کی وجہ سے ایسے لوگوں سے پردہ کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ان سے فتنہ کا خوف ہو تو پردہ واجب ہے اور اگر ایسی بات نہیں تو پردہ ضروری نہیں۔ جیسا کہ قرآن مقدس کا فرمان ہے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ۔ (پ۱۸، آیت: ۳۱) اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ پر۔ (کنز الایمان)

پردہ کا اسلامی تصور: پردہ کا اسلامی تصور نہایت جامع اور حیات آفریں ہے۔ اسلامی قانون کے اعتبار سے جسم پر اتنا لباس فرض ہے جس سے ستر پوشی ہو سکے۔ عورت اور مرد کے لیے ستر پوشی کی حدیں الگ الگ ہیں۔ مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے اعضاء چھپانا فرض ہے۔ ضرورت کے وقت ہاتھ کی ہتھیلی اور چہرہ کھولنا جائز ہے وہ بھی جب کہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔ عورت کا وجود تو اپنی جگہ ہے اس کی آواز بھی پردہ کی چیز ہے۔

اسلام نے عورتوں کو ذلت وپستی سے نکال کر یونہی بے یار ومددگار نہیں چھوڑ دیا بلکہ کچھ حدود وقیود کا پابند کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ومامون بنا دیا۔ پردے کی

پابندی اسلام کی اسی حکمت کی ایک کڑی ہے۔ اسلام نے عورتوں کو پردہ کا حکم دے کر انہیں جسمانی اور روحانی دونوں بیماریوں سے محفوظ کرلیا ہے۔ آج کی سائنسی تحقیقات نے اسلام کے اصول پردہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا ہے۔ بڑے بڑے محققین اور ریسرچ اسکالرز نے کھلے دل سے اعتراف کرلیا کہ وہ عورتیں جو پردہ کی پابند ہیں وہ ان بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتی ہیں جن کی وجہ سے بے پردہ عورتیں ہلاک ہوتی ہیں۔ عورتیں چونکہ طبعاً وخلقۃً نازک ہوتی ہیں اس لیے ان پر بیماریوں کا حملہ زود اثر ہوتا ہے۔ اس لیے وہ مقامات جو کپڑوں سے چھپے ہوتے ہیں۔ ان پر حملہ بے اثر ہوجاتا ہے لیکن وہی مقام اگر خالی ہوتو حملہ آور بیماری اپنا کام کرجاتی ہے۔ نیز یہ کہ جو حصہ کھلا رہتا ہے وہ دھوپ کی تمازت سے مرجھا جاتا ہے اس کے برعکس پوشیدہ حصہ شگفتہ رہتا ہے۔

اسلام کی مقدس شہزادیو! ایک طرف جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق دیکھو اور دوسری طرف رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات دیکھو اور پھر غور کرو کیا اسلام تمہیں پردہ کا پابند کرکے مفلوج بنانا چاہتا ہے۔ یا تمہاری زندگی کی حفاظت کررہا ہے؟

کیا پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟ پردے کے مخالفین نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ پردہ کی وجہ سے ہماری نصف آبادی گھروں میں مقید ہوکر رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے ملکی معیشت واستحکام پر زبردست اثر پڑتا ہے۔ اس لیے عورتیں بھی اگر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے لگ جائیں تو ملک کی پیداوار میں دوچند اضافہ ہوجائے گا۔ دیوالیہ کے کگار پر پہنچا ہوا ملک چند ہی سالوں میں اپنے معاشی واقتصادی ڈھانچہ کو درست کرکے شاہراہ ترقی پر گامزن ہوجائے گا۔ اس لیے عورتوں کا پردہ میں رہنا ملکی اور سماجی اعتبار سے بہت نقصان دہ ہے۔

یہ ہے ان لوگوں کی سوچ اور ان کا خوشنما فریب جو بزعم خویش عورتوں کے

حقوق کے محافظ اور علمبردار ہیں لیکن ذرا سی وقت نظر سے کام لیتے ہوئے اگر اس نعرہ کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ:

کوئی معشوق ہے اس پردہ زرنگاری میں

پھر اس کے بعد فوراً ہی پتہ چل جائے گا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ ذرا ان نعرہ لگانے والوں سے کوئی پوچھے تو صحیح کہ کیا ان کے ملک کے سارے مرد برسر روزگار ہیں؟ یقیناً ایسا ہرگز نہیں ہے۔ آج بھی کروڑوں نوجوان اور تجربہ کار افراد ایسے ہیں جو اپنے اپنے میدان میں اچھی صلاحیتوں کے مالک ہیں مگر وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر ہنر آزمائی ہیں۔ آفس اور دفاتر کے چکر لگاتے لگاتے نہ جانے کتنی جوتیاں گھس گئیں۔ معمولی معمولی کاموں کے لیے اعلیٰ صلاحیتوں کے افراد کی قطاریں دیکھ کر نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ ملک کے ان سورماؤں کے لیے تو دفاتر کے دروازے بند ہیں مگر صنف نازک کو چور دروازے سے بلایا جارہا ہے عورتوں کو گھروں سے نکالنے کے لیے احتجاج اور شور مچایا جارہا ہے۔ آخر کیوں؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

معلوم ہوا عورتوں کو اس لیے نہیں بلایا جارہا ہے کہ کام کے میدان میں ان کی ضرورت ہے بلکہ ان کو بلانے کا مقصد کچھ اور ہے جو ہر سمجھ دار پر واضح ہے۔

اصلی ترقی کیا ہے؟ اس مقام پر پہنچ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ترقی کی وضاحت کردی جائے کہ آخر ترقی کیا ہے؟ ترقی دولت کی فراوانی کا نام ہے؟ کیا ترقی بلند منصب پر پہنچنے کا نام ہے؟ کیا ترقی سرمایہ کی کثرت کا نام ہے؟ کیا ترقی بے حیائی اور شرم وحیار کے فقدان کا نام ہے؟ کیا ترقی عورت اور مرد کے بلاروک ٹوک میل ملاپ کا نام ہے؟ کیا ترقی خاندانی نظام کی تباہی کا نام ہے؟ کیا ترقی مذہب سے بے نیازی کا نام ہے؟ کیا ترقی آزاد خیالی اور بے راہ روی کا نام ہے؟

یقیناً اگر کوئی انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکہ نہیں تو ان سوالوں کا جواب نفی میں ہی دے گا۔ دراصل ترقی انسانیت کو سنوارنے اور آدمیت کو زندگی بخشنے کا نام ہے۔ اخلاق کی برتری اور تقدس کی بحالی کا نام ہے۔ عورتوں کی عزت وناموس کی حفاظت اور خواتین کے وقار کے تحفظ کا نام ہے۔ جہنم کی شعلہ زن وادیوں سے بچ کر جنت کی شاہراہ پر چلنے اور خلد بریں میں پہنچنے کا نام ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً

(پ ۱۴، ال عمران، آیت:۱۸۵) تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ترقی دولت وثروت اور حکومت وسلطنت کا نام نہیں بلکہ جنت کے خوبصورت اور دلفریب باغوں میں ٹہلنے کا نام ہے تو اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ اس کے لیے لازم وضروری ہے۔

اور حضرات محترم! اسلام نے عورتوں کو پردہ کا پابند کر کے انہیں محصور کیا ہے تو انہیں گھر کی چہاردیواری کی ملکہ اور حکمراں بھی بنایا ہے۔ اگر ان پر بچوں کی پرورش کی ذمہ داری عائد کی ہے تو مرد کو ان کے کھانے پینے اور ضروریات زندگی کا کفیل بھی بنایا ہے۔ عورت کی جب تک شادی نہیں ہوتی باپ کو اس کی ضروریات زندگی کا ذمہ دار ٹھہرایا اور شادی کے بعد شوہر کو اس کے اخراجات کا ذمہ دار قرار دیا۔ یہ تو عام حالات کی بات ہوئی لیکن بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اس میں عورت کا کوئی کفیل وذمہ دار نہیں ہوتا ایسی صورت میں اگر عورت کو گھر کے اندر مقید کر دیا جائے تو یقیناً اس کے لیے زندگی کے لمحات دشوار ہو جائیں۔

حضرات اسلام کا کرم بے پایاں اور اس کے قانون کی ہمہ گیری ایسے ہی مقامات پر واضح ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اسلام نے ایسی عورتوں کو گھٹ گھٹ کر مرنے پر مجبور کیا ہے بلکہ اسلام نے ایسی عورتوں کو مجبوری کی حالت میں گھر سے نکلنے

کی اجازت دی ہے وہ گھر سے باہر نکل کر اپنے کھانے پینے کا انتظام کر سکتی ہے۔ قرآن نے ایسی خواتین کو گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ (پ۱۸، ع۱۰) اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے۔ (کنز الایمان)

تا کہ فتنہ وفساد کا دروازہ نہ کھلنے پائے

بے پردگی کے نقصانات: محترم سامعین! آج دنیا تباہی و بربادی کے جس دور سے گذر رہی ہے اس کی خونچکاں داستان ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ہمیں حیرت ان لوگوں پر نہیں جن کا نہ کوئی دھرم ہے نہ مذہب۔ جن کے یہاں نہ کوئی اخلاقی ضابطہ ہے اور نہ کوئی مذہبی قانون بلکہ مجھے حیرت ان لوگوں پر ہے جن کے پاس مذہبی قانون بھی ہے اور تہذیبی ورثہ بھی جن کے پاس اخلاقی معیار بھی ہے اور سماجی طریقہ کار بھی۔ مگر آج وہ بھی مغربی تہذیب وتمدن کے سامنے اپنی گردنیں جھکا چکے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

گم ہو گیا مغرب کی سیہ بخت گھٹا میں
تہذیب حجازی کا درخشندہ ستارہ

حضرات گرامی! بے پردگی کی کوکھ سے عورت اور مرد کے میل ملاپ کا جنم ہوا پھر اس کے بعد معاشرہ جس طرح سے تباہ و برباد ہوا اس کی دل خراش داستاں کسی ہوشمند سے پوشیدہ نہیں۔ بس چند مثالیں ملاحظہ کیجئے اور اسلام کے نظام پردہ کی داد دیجیے۔

لندن کے ایک سنیما ہال میں منیجر نے اعلان کیا کہ ایک لیڈی اپنے کسی دوست کے ہمراہ فلم دیکھنے آئی ہے اس کے شوہر کو شکایت ہے لہٰذا پانچ منٹ کے لیے بتیاں گل کی جاتی ہیں تا کہ وہ لیڈی خاموشی کے ساتھ گھر چلی جائے۔

یہ کہہ کر منیجر نے بتیاں گل کر دیں اور پانچ منٹ کے بعد بتیاں پھر روشن کر دیں تو دیکھا کہ سارا ہال لیڈیوں سے خالی ہو چکا ہے۔ (عورتوں کی حکایات ص ۳۵۴)

یہ اسی بے پردگی کا نتیجہ ہے کہ مرد و عورت اور لڑکا لڑکی کی پہچان ختم ہو گئی ہے۔

سر راہ چلتے ہوئے دونوں کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

ایک صاحب کسی دوکان پر داخل ہوئے تو وہاں ایک لڑکی کو دیکھا جس کے چھوٹے چھوٹے بال بالکل لڑکوں کی طرح کٹائے ہوئے تھے ان صاحب نے اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص سے پوچھا۔ کیوں جناب یہ لڑکی ہے یا لڑکا؟

اس نے جواب دیا یہ لڑکی ہے اور میری بیٹی ہے۔ ان صاحب نے کہا معاف فرمایئے گا مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ اس کے باپ ہیں۔ اس نے جواب دیا میں اس کا باپ نہیں بلکہ ماں ہوں۔ (عورتوں کی حکایات ص ۳۵۷)

ایک بیوہ میم صاحبہ کچہری گئی اور کہا میرے تین بچے ہیں ایک تیرہ سال کا ایک آٹھ سال کا اور ایک دو سال کا۔ جج نے پوچھا اور آپ کے شوہر کے مرے ہوئے کتنے سال گزرے ہیں؟ کہنے لگی بارہ سال۔ جج نے کہا پھر تیرہ سال کا بچہ تو مان لیا کہ آپ کا ہے مگر یہ آٹھ سال کا اور دو سال کے بچے کہاں سے آ گئے؟ میم صاحبہ کہنے لگی۔ جناب مرا میرا شوہر ہے میں تو زندہ ہوں۔ (ایضا ۳۹۸)

مغربی دنیا میں اس قسم کے واقعات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں اور حیرت تو یہ ہے کہ اس پر کسی کو حیرت نہیں! بے پردگی اور فحاشی کی کثرت نے جنسی آسودگی کے سارے راستے ہموار کر دیے۔ اس لیے کون جائے روٹی کپڑا اور مکان کا بوجھ ڈھونے اور کون دردسر مول لے؟ یہ مزاج اور خیال ہے ان ملکوں کے باشندوں کا جو بزعم خویش ترقی یافتہ اور تہذیب و تمدن میں سب سے آگے ہیں۔ اسلام کے نظام پردہ کو للکارنے والے امریکہ اور برطانیہ کے باشندوں کا عالم یہ ہے کہ ان میں سے صرف ۲۰ فیصد لوگ ہی شادی کرتے ہیں اور ۳۳ فیصد لڑکیاں بن بیاہی ماں بن جاتی ہیں۔ امریکہ میں ایک کروڑ سے زیادہ ناجائز ولاوارث بچے چلڈرن ہاؤس Children House میں پرورش پا رہے ہیں۔ لاوارث بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد حکومت کے لیے سردردی بنی ہوئی ہے مگر خود کردہ را علاجے نیست کے تحت انہیں جھیلنے پر مجبور ہے۔

ایک امریکی اخبار کی رپورٹ کے مطابق ملک میں ہر چھیالیس سکنڈ پر زنا بالجبر کا واقعہ پیش آتا ہے۔ حضرات! یہ کیا ہے؟ یہ بے پردگی اور بے حجابی کے تحائف ہیں۔ یہ حالات دیکھ کر تو بس یہی کہہ کر خاموش ہونا پڑتا ہے کہ۔

خدا جانے یہ بدمستیاں کیا رنگ لائیں گی
کہاں تک اور بگڑے گا ابھی ان کا چلن ساقی

اسلام کے مقدس شہزادو اور عفت مآب شہزادیو! آج مغربی خواتین پوری عریانیت کے باوجود جس ذہنی کرب واضطراب کا شکار ہیں ان کی روداد غم سننے کے بعد یہ شعر ان کی حالت زار کی خوب ترجمانی کرتا ہے۔

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پر تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

آج مغرب کی چمک پوری دنیا کو للچا رہی ہے مگر خود مغربی خواتین زبان حال سے پکار پکار کہہ رہی ہیں۔

غم کو چھپالیا ہے لباس نشاط میں
دنیا سمجھ رہی بہت شادماں ہیں ہم

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی سماجی اور معاشرتی زندگی میں مغرب کی چمک دمک پر نہ قربان ہوں بلکہ اسلام کی سادگی کو اپنا کر دنیا کو عزت وآبرو اور امن وسکون کا گہوارہ بنائیں۔

پروردگار عالم اپنے حبیب مکرم کے صدقے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اسلام اور پیغام غوث اعظم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَوَّرَ قُلُوْبَنَا بِاَنْوَارِ الْمَعْرِفَةِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صَاحِبِ الشَّفَاعَةِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَنْوَارِ الْهِدَایَةِ. اَمَّا بَعْدُ!
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ.
(پ۱۱، التوبہ، آیت:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔ (کنز الایمان)

معزز علماء کرام، برادران اسلام، شمع رسالت کے پروانو اولیاء امت کے جانثار و غوث و خواجہ کے دیوانو! آیئے سب سے پہلے گنبد خضریٰ کی جانب لو لگا کر نہایت ہی خلوص و محبت کے ساتھ درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ قَدْ ضَاقَتْ حِیْلَتِیْ اَدْرِکْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ.

کھلا میرے دل کی کلی غوث اعظم
مٹا قلب کی بے کلی غوث اعظم
تیرے رب نے مالک کیا تیرے جد کو
تیرے گھر سے دنیا پلی غوث اعظم
کہا جس نے یا غوث اعظم تو دم میں
ہر آئی مصیبت ٹلی غوث اعظم
قدم گردن اولیا پر ہے تیرا
تجھے ایسی قدرت ملی غوث اعظم

جو ڈوبی تھی کشتی وہ دم میں نکالی
تو ہے رب کا ایسا ولی غوث اعظم
فدا تم پہ ہوجائے نوری مضطر
یہ ہے اس کی خواہش ولی غوث اعظم

حضرات گرامی اور عزیزان ملت اسلامیہ! اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ دین ہے۔ اس کی بقاء اور تحفظ اسے مطلوب ہے۔ شدید مخالفت کے دور میں بھی اس نے اسے پروان چڑھایا۔ بدعقیدگی اور گمراہی کے طوفان نے جب اس کے حسین چہرہ کو گرد آلود کرنے کی کوشش کی تو اس وقت بھی اسے اپنے پاک بندوں کے ذریعے محفوظ کیا اور ہر دور میں اس کی حفاظت اور صیانت فرماتا رہے گا۔

تاریخ کے مختلف ادوار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے عہد مبارک میں اسلام جس تیزی سے دنیا کو اپنی آغوش رحمت میں لیے رہا اور جس سرعت سے نا آشنا سرزمین پر اپنی صداقت کا پرچم لہراتا رہا بعد کی صدیوں میں اس جیسی برق رفتاری نظر نہیں آتی۔ میں اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کی متعدد وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب مسلمانوں میں مال ودولت کی کثرت اور اسباب عیش وآرام کی فراوانی ہوچکی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب دنیا لوگوں کے دلوں پر اپنا پنجہ گاڑ دیتی ہے تو پھر ان میں دینی رجحان مذہبی غیرت اور اعتقادی تصلب کی گرفت ڈھیلی پڑجاتی ہے۔

ابھی چار صدی ہی بیتی ہے کہ اسلام کی وہ رنگت پھیکی پڑچکی ہے جو پہلی اور دوسری صدی میں دیکھنے کو مل رہی تھی۔ اسلام کی وہ شان وشوکت اور آن بان ماند پڑچکی ہے جو اس سے پہلے نظر آرہی تھی۔ جذبہ ایثار وقربانی جو اسلام کا طرہ امتیاز تھا اس کی جگہ خود غرضی اور مفاد پرستی کی روش عام ہونے لگی۔ اخوت ومحبت اور اتحاد واتفاق کی علمبردار قوم آپس میں دست وگریباں ہونے لگی۔ دنیا کی بے ثباتی کا درس

دینے والے لوگ خود دنیا پر پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ ارباب اقتدار سیاسی بازی گری میں مصروف تھے اور اہل خانقاہ گوشہ نشینی اختیار کر چکے تھے۔ علماء حق مدارس تک محدود ہو چکے تھے اور علما سوء امرا کی کاسہ لیسی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے تھے اور عام لوگوں کی کشتی حیات بے راہ روی کے بھنور میں ہچکولے کھا رہی تھی۔

ایسے پرفتن دور میں ضرورت تھی ایک ایسی عالمگیر، ہمہ جہت، روح پرور، ایمان افروز اور دل نواز شخصیت کی جو اسلام کی ڈوبتی کشتی کو ساحلِ نجات سے ہمکنار کر سکے۔ جو امرار وسلاطین کو ان کی بے راہ روی پر متنبہ کر سکے۔ جو عوام کی فکری واعتقادی غلطیوں کو اجاگر کر سکے۔ جو مردہ قلوب میں زندگی کی حرارت پیدا کر سکے۔ جو اہل خانقاہ کو بیدار اور اہل علم کو چونکا سکے۔ جو اپنے اخلاق وکردار کی بلندی سے تسخیر کائنات کا فریضہ انجام دے سکے۔ جن کے وجود مسعود سے ایمان کا پودا لہلہا اٹھے اور فکر ونظر کی وادی سرسبز وشاداب ہو جائے۔

ان ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''نیف'' کی سرزمین پر اپنے ایک بندہ کو پیدا فرمایا جو تنہا وقت کی تمام ضرورتوں کا جواب بن کر سامنے آیا۔ آج دنیا اسی عظیم المرتبت شخصیت کو قطب ربانی، غوث صمدانی، محبوبِ لاثانی، شہباز لامکانی، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی اسم گرامی سے جانتی پہچانتی اور مانتی ہے۔

ولادت اور نام ونسب: کشورولایت کے تاجدار حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکم رمضان المبارک ۴۷۱ھ کو جمعہ کے دن قصبہ گیلان کے محلہ ''نیف'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ ام الخیر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقویٰ وطہارت کی پیکر زہد وورع کی مجسمہ اور بڑی نیک سیرت وخدا ترس خاتون تھیں۔ بلاشبہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ گلستان سیادت کے گل سرسبد ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب والد محترم کی طرف سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور

والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ گویا بقول مجدد ملت امام اہل سنت۔

تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے دریا تیرا

آپ کی پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت کی مشہور و معروف خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ لوگ پریشان کن حالات میں آپ کی طرف رجوع فرماتے اور آپ ان کی دستگیری فرماتی تھیں۔ آپ کے نانا حضرت عبداللہ صومعی میدانِ ولایت کے شہسوار اور اقلیم تقویٰ وطہارت کے تاجدار تھے۔ بڑے بڑے ارباب فکر ونظر جن کی ولایت وبزرگی کی قسمیں کھاتے تھے۔ ایسے ایسے پاکباز، نیک خصلت اور قدسی صفات افراد کے روحیانی ماحول میں غوث پاک کی ولادت وتربیت ہوئی۔ پھر آپ کی بزرگی اور عزت وعظمت کے کیا کہنے۔ ارباب تاریخ نے بجا لکھا ہے کہ آپ مادرزاد ولی ہیں۔ خود آپ کی والدہ محترمہ بیان فرماتی ہیں کہ۔

"آدھی رات گزر چکی تھی۔ میں نے نماز تہجد ادا کی۔ زمین سے آسمان تک ایک نور نظر آرہا تھا۔ سارا گھر نور کا سمندر معلوم ہوتا تھا۔ کسی نے کہا۔ فاطمہ یہ وقت ایک آفتاب معرفت کی ولادت کا وقت ہے۔ کچھ دیر بعد درد محسوس ہوا اور عبدالقادر پیدا ہوئے۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ بچہ نے اپنا سر سجدہ میں رکھا اور سبحان ربی الاعلیٰ کہا۔ اس وقت غیب سے روحانی برکتوں کی بارش ہورہی تھی"۔ (سیرت غوث اعظم، ص-۹)

آپ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوئے اور اسی دن سے روزہ رکھنے لگے۔ یعنی سحری سے لے کر افطار تک آپ والدہ ماجدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ جیسا کہ خود آپ کی والدہ صاحبہ بیان فرماتی ہیں۔

"جب سے میرا لڑکا عبدالقادر پیدا ہوا۔ ماہ رمضان میں دودھ ہرگز نہیں پیتا تھا۔ ایک مرتبہ بادل کی وجہ سے رمضان المبارک کا چاند نظر نہ آیا۔ لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا میں نے کہا آج میرے لڑکے نے دودھ نہیں پیا ہے۔ تحقیق کے بعد

پتہ چلا کہ اس دن رمضان کی پہلی تاریخ تھی"۔

محترم سامعین کرام! یہ بالکل مشاہدے کی بات ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے جس بندہ سے مخصوص کام لینا چاہتا ہے اسے اپنی قدرت کاملہ سے مخصوص صلاحیتیں بھی عطا فرما دیتا ہے۔ آپ کا یہ مخصوص عمل اس کا ثبوت ہے۔ آپ نے ابھی دنیا میں قدم رکھا ہی ہے۔ احکام شرع ابھی متوجہ بھی نہیں ہوئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ایک دینی فریضہ پر عمل کر کے دنیا والوں کے دلوں کے بند دریچے کھول رہے ہیں۔

آپ کے علمی سفر کا فیضان: والدہ محترمہ کی عمر مبارک اٹھتر سال ہے اور سرکار غوث پاک کی عمر شریف اٹھارہ سال کی۔ والد محترم دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں۔ نانا جان جن کی نگرانی و کفالت میں آپ کی زندگی کے شب و روز بسر ہو رہے تھے۔ وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ سرکار غوث پاک گیلان اور اس کے قرب و جوار کے تمام علمی مراکز سے سیراب ہو چکے ہیں۔ مزید حصول علم کی تشنگی روح کو بے قرار کر رہی تھی کہ اچانک ایک دن بغداد کو جانے والے قافلہ پر نظر پڑی والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اس ماں کی خدمت میں بظاہر جس کی کوئی خبر گیری کرنے والا نہ تھا۔ جن کی ضعیفی کا کوئی سہارا نہ تھا۔ مگر قربان جایئے اس ماں کی عظمت پر جس نے اپنی ضعیفی کو آڑ نہ بنایا۔ اس نے اپنے دنیاوی عیش و آرام کا بہانہ نہ بنایا۔ اس پیری کے عالم میں بھی انہوں نے اپنی صحت کو نہ دیکھا بلکہ اسلام کی عظمت کو دیکھا۔ اپنے لخت جگر کے دینی ذوق کو دیکھا اور سامان سفر تیار کرنے کی اجازت دے دی۔

سرکار غوث پاک جب اپنی تیاری مکمل کر کے آخری سلام کے لیے حاضر ہوئے تو نیک سیرت ماں نے کہا میرے جگر کے ٹکڑے۔ یہ لو چالیس دینار یہ تمہارے مقدس سفر اور قیام بغداد میں کام آئیں گے اور ہاں جاتے جاتے میری ایک نصیحت یاد رکھو خواہ تمہارے اوپر مصائب و آلام کے کتنے ہی پہاڑ کیوں نہ ٹوٹ پڑیں مگر تم کبھی اپنی زبان سے جھوٹ نہ بولنا۔

سرکار غوث پاک نے اپنی ماں سے وعدہ کیا کہ امی جان ایسا ہی ہوگا اور فی امان اللہ، خدا حافظ کہہ کر والدہ محترمہ سے جدا ہو گئے۔

آپ قافلے کے ساتھ بغداد کے لیے روانہ ہوئے سفر کا سلسلہ جاری رہا جب قافلے کا گزر ایک جنگل سے ہوا یک بیک ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کر دیا۔ قافلہ والوں کے مال واسباب لوٹ لیے گئے۔ اسی درمیان ایک ڈاکو نے آپ سے دریافت کیا۔ لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟

آپ نے جواب دیا۔ ہاں! میرے پاس چالیس دینار ہیں!

کہاں ہیں تمہارے دینار؟

میری اس صدری میں بغل کے نیچے سلے ہوئے ہیں۔

اتنا سن کر وہ ڈاکو مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا اور کہتا گیا۔ شاید یہ بچہ قافلہ والوں کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا ہے۔

مگر حضرات! مشیت الٰہی اس کے مسکرانے پر مسکرا رہی تھی۔

جب ڈاکوؤں کے لوٹ پاٹ کا بازار تھما تو ڈاکوؤں کے سردار نے پوچھا۔

کس کے پاس کچھ بچا تو نہیں؟

ایک ڈاکو نے کھڑے ہو کر کہا۔

حضور! سب لوگوں کو تو ہم نے تلاش لیا۔ مگر ایک بچہ باقی ہے جو عجیب قسم کی باتیں کرتا ہے۔ سردار نے کہا۔

اسے میرے پاس حاضر کرو۔

سرکار غوث پاک ڈاکوؤں کے سردار کے سامنے پیش کیے گئے۔

سردار: بچے! کیا تمہارے پاس بھی کچھ مال ہے؟

سرکار غوث پاک: جی ہاں!

اچھا بتاؤ کہاں ہے؟

یہ رہا میری صدری میں میرے بغل کے نیچے!

سردار: بیٹے! تمہارا یہ مال تو بڑی محفوظ جگہ رکھا تھا اگر تم چاہتے تو اسے چھپا سکتے تھے مگر تم نے چھپایا کیوں نہیں؟

میں نے چھپایا تو تھا مگر آپ نے پوچھ جو لیا۔

ہاں! ہاں! میں نے پوچھ تو لیا۔ مگر تم جھوٹ بول کر آسانی سے بچ سکتے تھے۔

آخر تم نے جھوٹ بول کر اپنا مال بچایا کیوں نہیں؟

سرکار غوث پاک نے فرمایا۔

اس لیے کہ جب میں گھر سے روانہ ہو رہا تھا تو میری ضعیفہ ماں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ بیٹے تم سفر پر روانہ تو ہو رہے ہو مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ کبھی جھوٹ نہ بولنا خواہ تمہیں کتنا ہی بڑا نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ ٹھیک ہے امی جان، میں کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

آج اگر میں جھوٹ بول کر اپنا دینار بچا لیتا تو ماں سے کیا ہوا وعدہ نہ بچا پاتا۔ اگر کل میدان قیامت میں میری ماں مجھ سے پوچھ لیتی کہ میرے لعل تم نے میرا وعدہ پورا کیوں نہیں کیا؟ تو یقیناً میں شرمسار ہو جاتا۔ اس لیے میری غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ تھوڑی سی پونجی بچانے کے لیے میں اپنی ماں سے کیا ہوا وعدہ توڑ دوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے سچ سچ بتا دیا۔ اب چاہے یہ دینار رہے یا نہ رہے میں نے اپنی ماں کا وعدہ تو پورا کر لیا۔

اتنا سننا تھا کہ ڈاکوؤں کے سردار کے قدموں سے زمین کھسک گئی۔ وہ عالم بے خودی میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سرکار غوث پاک کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے کہنے لگا۔ اے نوجوان! آج تو نے میری آنکھوں کی پٹی کھول دی۔ میرے قلب کی سیاہی کو صاف کر دیا۔ واقعۃً آج تو نے مجھے خواب غفلت سے بیدار کر دیا۔ اے نوجوان! اس کم سنی میں تو اپنی ماں سے کیا ہوا وعدہ نہیں ٹوٹنے دے رہا ہے اور میں روزانہ اپنے پروردگار سے کئے ہوئے نہ جانے کتنے وعدے توڑ رہا ہوں۔ اگر تجھے اپنی ماں سے شرمسار ہونے کی فکر ہے تو مجھے اپنے رب کے حضور شرمندہ ہونے کی اور زیادہ فکر

ہونی چاہیے۔ ہائے میں کتنا بڑا نا ہنجار ہوں جو رب کی نافرمانی کے ساتھ مخلوق خدا کی دل آزاری کرتا رہا۔ اے نوجوان! اب میری غیرت بیدار ہو چکی ہے۔ اب میرا ضمیر جاگ اٹھا ہے۔ اب تم اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ تا کہ تمہارے مقدس ہاتھوں پر میں توبہ کر کے سعادت مندوں کی فہرست میں اپنا نام لکھا سکوں۔

سرکار غوث پاک نے اسے توبہ کروا کے نیک بختوں میں شامل کرلیا۔

اب اس سردار نے اپنے ہم پیشہ ڈاکوؤں سے مخاطب ہو کر کہا۔

میرے بھائیو! اتنے دنوں تک شیطان میرے دل و دماغ پر قابض رہا۔ اس لیے میں قتل و غارت گری اور چوری اور ڈاکہ زنی میں مصروف تھا مگر اب اللہ کے ایک نیک بندہ نے میرے دل و دماغ کے بند دروازوں کو کھول دیا ہے اس لیے میں اب اس شیطانی کام سے توبہ کر چکا ہوں۔ اب تم لوگ اپنی مرضی کے مالک ومختار ہو جہاں چاہو اور جو چاہو کام کرو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔

اتنی بات سن کر تمام ڈاکوؤں نے بیک زبان کہا۔

اے ہمارے سردار! ڈاکہ زنی میں تم ہمارے سردار تھے اب توبہ کرنے میں بھی تم ہمارے سردار ہو۔ دنیا میں ہم تمہارے ماتحت رہے اب آخرت میں بھی ہم تمہارے ماتحتی کے امیدوار ہیں۔ ہم اپنے ان کرتوتوں سے توبہ کر کے تمہاری غلامی اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

سردار نے اپنے تمام شاگردوں کو سرکار غوث پاک کے قدموں میں ڈال کر توبہ کی درخواست پیش کی۔ آپ نے ان سبھوں کو توبہ کرا کے ایک ایسی نظر عنایت ڈالی کہ پورے گروہ کو زمین کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا اور ہر ایک کو ولایت کے منصب پر فائز کر دیا۔ (نفحات الانس، ص ۵۷۷)

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

معزز سامعین کرام! سرکار غوث پاک نے ایک جھوٹ نہ بول کر رہزنوں کے

گروہ کے دلوں کو صاف وشفاف کر دیا اور آج مسلمان بات بات پر جھوٹ بول کر معاشرہ کو پراگندہ کر رہا ہے۔ کیا یہی غوث پاک کی غلامی ہے؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی

ایک مرتبہ درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرات! یہاں پہ ایک بات اور خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ وہ ماں کتنی لائق احترام ہے جس نے اپنے بوڑھاپے کے سہارا کو اجازت دے کر آنے والی نسلوں کو تعلیم کی اہمیت سے باخبر کر دیا کہ۔

اے میری کنیزو! تم اپنے اوپر زخم برداشت کر لینا تم خود مصیبت اور تکلیف اٹھالینا مگر اپنی اولاد کو جاہل اور انپڑھ نہ رکھنا۔ تم اپنے لخت جگر کی جدائی برداشت کر لینا مگر انہیں جہالت کے دل دل میں نہ چھوڑنا۔

آپ بغداد پہنچ گئے وہاں آٹھ سال تک وقت کے اکابر علماء کرام سے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل میں لگے رہے ساتھ ہی مشائخ عظام سے راہ سلوک کا سبق بھی لیتے رہے۔ ان سے فارغ ہونے کے بعد تزکیۂ نفس کے لیے صحرانوردی میں مشغول ہو گئے۔ شاید یہ سوچ کر کہ۔

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

اس سلسلے میں آپ خود فرماتے ہیں کہ:

چالیس سال تک میں نے فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا کی! دس پندرہ سال تک یہ حال رہا کہ نماز عشاء کے بعد قرآن شریف اس طرح شروع کرتا کہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو جاتا اور ایک ہاتھ سے دیوار کی میخ پکڑ لیتا۔ یونہی پوری رات بسر ہو جاتی اور صبح تک ایک قرآن شریف پورا ہو جاتا۔ تین دن سے چالیس دن تک بسا اوقات ایسا ہوا کہ نہ کھانے کو کچھ ملا نہ سونے کی نوبت آئی۔ (اخبار الاخیار، ص ۳۶)

اتنی عبادت وریاضت کے باوجود سرکار غوث پاک کے خوف خداوندی کا عالم یہ ہے کہ لوگوں نے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ بیت اللہ شریف کے پاس زمین پر اپنی پیشانی مبارک رکھ کر عرض کرر ہے تھے کہ۔ اے پروردگار اگر میں تیری بارگاہ میں کسی سزا کا مستحق ہوں تو قیامت کے دن مجھے اندھا اٹھانا۔ تاکہ مجھے تیرے نیک بندوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ (گلستاں باب دوم:۶۷)

اللہ اللہ! یہ ہے سرکار غوث پاک کی خشیت الٰہی کا منظر! ایک طرف آپ کی عبادت وریاضت ہے اور دوسری طرف خوف خدا سے لرزنا اور کانپنا ہے۔ آپ کثرت عبادت پر کبھی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوئے مگر رب کی پکڑ کا خطرہ ہر وقت آپ کے پیش نظر رہا۔ سرکار غوث پاک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمیں رب تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی گرفت سے بچنے کا پیغام دیتا ہے۔

قول وفعل میں یکسانیت کا درس: سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ نے اپنی عملی زندگی میں قول کے ساتھ فعل اور علم کے ساتھ عمل پر بھرپور زور دیا ہے۔ آپ نے کبھی دنیا کی طرف رغبت نہیں کی۔ بلکہ آپ نے حرص وہوس کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہ دیا۔ جیسا کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

اے لوگو! ہوا وہوس کو چھوڑو۔ علم بلا عمل تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کلام الٰہی پر عمل کرو۔ اس کے حرفوں کی سیاہی میں وہ سفیدی چھپی ہے جو تمہاری گناہوں کی سیاہی کو دور کر کے تمہارے دل کو روشن کردے گی۔ وہ حکم الٰہی ہے وہ ربانی قانون ہے جس پر لگاتار عمل کرنے والے کو اس کا ثمرہ مل ہی جاتا ہے۔ (شان غوث اعظم، ص-۱۰۵)

پڑوسی کی خبر گیری کا حکم: اسلام نے پڑوسی کے جو حقوق بتائے ہیں وہ اسلامی دستور کا ایک روشن باب ہے۔ یہاں پر اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی اہمیت کے پیش نظر خود بھی پڑوسیوں کے حقوق کا بھرپور خیال کیا اور اپنے غلاموں کو بھی اس طرف متوجہ فرما کر اس پر عمل کرنے کا درس دیا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

اے لوگو! افسوس کہ تم سیر ہو کر کھاتے ہو اور تمہارے پڑوسی بھوکے رہتے ہیں اور پھر دعویٰ یہ کرتے ہو کہ ہم مومن ہیں۔ تمہارا ایمان صحیح نہیں ہے۔ (ایضاً ۱۱۲)

عمل میں اخلاص کی تاکید: اسلام کی نظر میں اخلاص کی بہت قدر و قیمت ہے۔ بغیر خلوصِ نیت کے کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں۔ اس لیے سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ نے خود بھی اپنی پوری زندگی خلوص وللّٰہیت کے پیکر میں ڈھل کر بسر کی اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔ آپ نے ریا کاروں اور مکاروں کی خوب دھجیاں اڑائی ہے اور لوگوں کو ان سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ کیوں کہ ایسے لوگ ہمیشہ ملت اسلامیہ کے لیے فتنہ وفساد کے دروازے کھولتے رہے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو ان مذہبی بہروپیوں سے جو نقصان پہنچا ہے۔ اس کی ایک لمبی داستان ہے۔ اس لیے سرکار غوث پاک نے عمل میں اخلاص کی خوب خوب تاکید فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

"اے لوگو! تمہارے اندر نفاق زیادہ اور اخلاص کم ہو گیا ہے اور قول وفعل میں تضاد بڑھ گیا ہے اور سن لو عمل کے بغیر قول کسی کام کا نہیں۔ تمہارے اعمال کا بڑا حصہ جسم بے روح کی طرح ہے کیوں کہ روح اخلاص وتوحید اور سنت رسول اللہ پر قائم ہے۔ غفلت مت کرو اپنی حالت کو پلٹو تا کہ تم کو راہ ملے"۔ (ایضاً ۱۱۳)

آخرت کی تیاری اور دنیا سے بے زاری کا حکم: عزیزان ملت اسلامیہ محترم بزرگو اور دوستو! ہر سمجھدار انسان پر یہ حقیقت واضح ہے کہ دنیا کی لذتیں چند روزہ اور فانی ہیں۔ اس کی رنگینیوں میں کھونے کا انجام سوائے بربادی کے اور کچھ نہیں۔ دنیا کی دل فریبیوں میں مست ہو کر زندگی گزارنے والے جب آخرت کی طرف روانہ ہونے لگتے ہیں تب ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور پھر احساس ہوتا ہے کہ:

وائے نادانی کے وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کے دیکھا جو سنا افسانہ تھا

بندۂ مومن کی معراج دنیاوی عیش و مستی میں نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی و کامرانی میں ہے۔ اسی لیے سرکار غوث پاک نے دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی تیاری کی طرف خوب خوب متوجہ کیا ہے اور آپ کی حیات طیبہ کا لمحہ لمحہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی کامیابی کی دعوت دیتا نظر آتا ہے جیسا کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

اے کوچ کرنے والے! اپنے سفر کے لیے زادراہ تیار کر لے اور مجھ سے یہ حکم سنتا جا کہ کثرت مال و جاہ اور طویل زندگی سے فریب نہ کھا۔ کیوں کہ گردش لیل ونہار کے نتیجہ میں عجیب وغریب واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ تجھ سے قبل بھی اس دنیا میں بہت سے نامور پیدا ہوئے تو اپنی حفاظت کر خبردار ہو جا کہ یہ دنیا تجھے قتل کرنے کے لیے شمشیر برہنہ ہے۔ یہ بہت ہی غدار اور مکار ہے۔ اسے جب بھی موقعہ ملے گا۔ تجھ کو لٹ لے گی اور تجھ جیسے کتنے ہی لوگ اس کی چمک دمک سے فریب کھا چکے ہیں۔ اگر تو نے اس کی اطاعت کی یا اس کی قسموں پر کان لگایا، یا اس کو مراد و خواہش سمجھ لیا تو یہ تجھے فریب ہی فریب میں زہر ہلاہل کا جام پلا دے گی۔ (قلائد الجواہر، ص:۱۹۸)

اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے مجدد ملت امام اہل سنت قدس سرہٗ نے کیا خوب کہا ہے۔

دنیا کو تو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ
صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے
شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش
اس مردار پہ کیا للچانا دنیا دیکھی بھالی ہے

حضرات گرامی! اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ سرکار غوث پاک سے محبت ایمان کی سلامتی کی علامت ہے۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ان کی محبت میں سرشار ہیں۔ قابل مبارکباد ہیں۔ وہ حضرات جو ان کی عقیدت میں مست ہیں۔ مگر حضرات گرامی! محبت کے کچھ تقاضے اور عقیدت کے کچھ مطالبے ہوتے ہیں۔ محبت صرف زبان سے نعرہ لگانے کا نام نہیں، محبت صرف قادری لنگر لٹانے کا نام نہیں،

محبت صرف ان کی یاد کی محفل سجانے کا نام نہیں۔ محبت صرف ان کی عقیدت کا دم بھرنے کا نام نہیں بلکہ اصلی اور حقیقی محبت ان کے پیغام کو عملی زندگی میں اتارنے کا نام ہے۔ ان کے فرمودات کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ ان کی حیات کو مشعل راہ بنانے کا نام ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت کرنا ان کی محبت کا امتیازی نشان ہے۔ شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا ان کی محبت کا خاصہ ہے۔ سنت کے سانچے میں زندگی کو ڈھالنا ان کی محبت کا اظہار ہے۔ اپنی زندگی کو دین کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دینا ان کی محبت کا تقاضہ ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم زبانی طور پر غوث پاک کی محبت کا راگ الاپنے کی بجائے عملی طور پر ان کے پیغام کو برتنے کی کوشش کریں۔

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ؟
دو اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو غوث پاک کے پیغام سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیا میں ان کا نام لیوا اور آخرت میں ان کا سایہ نصیب کرے۔ آمین ثم آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

اسلام اور پیغام مجدد اعظم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَشْرَفْنَا وَاَكْرَمْنَا عَلٰى سَائِرِ الْمَخْلُوْقَاتِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَیِّدِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ فَازُوْ بِاَعْلَى الدَّرَجَاتِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ
(پ۲٦، الحجرات، آیت:۲۹)
صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ۔

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم ہیں۔

غوث وخواہ کے دیوانو! امام احمد رضا کے چاہنے والو، علمار ملت کے شیدائیو اولیار امت کے فدائیو! آیئے سب سے پہلے حضرت عبد اللہ کے نور نظر، حضرت آمنہ کے لخت جگر، خلق کے رہبر، محبوب داور، حضور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ پرانوار میں صلوٰۃ وسلام کی نذر پیش کریں۔

اَللّٰهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَا نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَا

اے مفسر اے محدث اے فقیہ نامدار
ہمسر اوج ثریا ہے تیرا فقہی مقام
تو نے اسرار حقیقت کردیئے سب پر عیاں
ہے مسلم تو جہاں میں اہل سنت کا امام

ہر طرف اسلام کا تو نے کیا پرچم بلند
ہو رہے ہیں چرچے تیرے تا عراق و مصر و شام
رحمۃ للعالمین پر تھا فدا سو جاں سے تو
تو نے بھیجے جان رحمت پر رضا لاکھوں سلام

معزز سامعین کرام! تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ انیسویں صدی عیسوی ہندوستانی مسلمانوں کے لیے کتنی اہم ہے۔ انگریزوں کی چالبازی اپنا رنگ دکھا رہی تھی اور آہستہ آہستہ مغلیہ سلطنت کی بساطِ حکومت سمٹ رہی تھی۔ انگریز اپنے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلمانوں کی غیرت وحمیت میں آخری کیل ٹھونک دینا چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ ہر ڈگر پر چلنے کو تیار اور ہر حربہ آزمانے میں معروف تھے۔ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' تو ان کا پرانا اور مجرب فارمولہ تھا۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں اس کی بھی خوب مشاقی ہوئی۔ کبھی مذہبی مسلمات پر حملہ کر کے لوگوں کو برانگیختہ کیا گیا اور کبھی ہندو مسلمان کے درمیان نفرت کی بیج بو کر خون کی ہولی کھیلنے پر مجبور کیا گیا۔

حضرات گرامی! انگریز اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف تھے کہ ہم نے جس قوم کو شکست دے کر حکومت پر قبضہ کیا ہے۔ یہ کوئی بزدل اور معمولی قوم نہیں وقت اور حالات نے اگر اسے شکست خوردہ بنادیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب یہ ہمیشہ کے لیے یونہی خاموش بیٹھ جائے گی۔ نہیں بلکہ اس کے پاس ایسی قوت موجود ہے جو کبھی بھی منظم ہو کر ہمیں دھول چاٹنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اگر یہ متحد ہو جائے گی تو پھر ہمیں سات سمندر پار لوٹنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اس لیے ان لوگوں نے کچھ ایسے افراد میدان میں اتارے جنھوں نے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا۔ جنھوں نے مسلمانوں کو الگ الگ ٹولیوں میں بانٹ دیا۔ جنھوں نے مسلمانوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ انجام کار انگریزوں کے ان ایجنٹوں نے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے پر کفر وشرک کی بمباری شروع کر دی۔ کسی نے علماء کرام کی تضحیک

وتذلیل کی اور کسی نے اولیائے کرام کی عظمت پر انگشت نمائی کی کسی نے سرکار دو جہاں مالک کون ومکاں سیاح لامکاں حضور روحی فدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر حملہ شروع کر دیا اور کسی نے اللہ رب العزت کی بے عیب ذات کو نشانہ بنایا۔ کوئی کسی نئے نبی کی آمد کو جائز قرار دے رہا تھا اور کوئی نبی بن کر دنیا والوں کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مختصر یہ کہ سیاسی اور مذہبی ہر دو اعتبار سے عجیب افراتفری کا عالم تھا۔

ایسے پرفتن دور میں ضرورت تھی کسی ایسے مصلح اعظم کی جو امت مسلمہ کی چوطرفہ حفاظت کا حق ادا کر سکے۔ جو مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے جی توڑ کوشش کر سکے۔ جو نہ تو دولت وثروت سے مرعوب ہو سکے اور نہ ہی طاقت وقوت سے جو نہ علم وفضل میں کسی کا محتاج ہو اور نہ ہی تقویٰ وطہارت میں کسی سے کم۔ پروردگار عالم نے ان تمام خوبیوں کا جامع بنا کر ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء کو بریلی کی سرزمین پر حامی سنت ماحی بدعت مجدد ملت امام اہل سنت حضرت علامہ مفتی الشاہ احمد رضا خان محدث بریلوی کو پیدا فرمایا۔

وہ امام اہل سنت! جن کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

آبروئے موناں احمد رضا خاں قادری
رہنمائے گمرہاں احمد رضا خاں قادری
تیرا علم وفضل وشان وشوکت جاہ وحشم
شش جہت پر ہے عیاں احمد رضا خان قادری
منزل مقصود مومن کا نگہبان راہبر
رومی ورازی غزالی کی طرح فکر ونظر
ترجمہ تفسیر ومنطق ہو ریاضی یا اصول
سب پہ ہے تیری حکومت یا امام احمد رضا

فخر ہے ہم کو امام احمد رضا کے نام پر
جن سے سیکھا ہم نے مرنا مصطفیٰ کے نام پر

عزیزان ملت اسلامیہ! اللہ تبارک وتعالیٰ جب اپنے کسی مخصوص بندے کو کسی مخصوص کام کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اسے مخصوص صلاحیتوں سے بھی مالا مال فرما دیتا ہے۔ تاکہ وہ اپنا فرض منصبی کما حقہ ادا کر سکے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو بھی پروردگار عالم نے انتہائی خوفناک اور بھیانک ماحول میں دین کی حفاظت وصیانت اور اپنے محبوب کی عزت وعظمت کا پرچم لہرانے کے لیے بھیجا تھا۔ اس لیے انہیں بھی مخصوص صلاحیتوں سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

آپ نے چار سال کی عمر میں ناظرہ کلام پاک مکمل کر لیا۔ کیا یہ خداداد صلاحیت نہیں؟

آپ نے صرف چھ سال کی عمر میں میلاد شریف کے عنوان پر مجمع عام میں ایک بسیط تقریر فرما کر سامعین کو حیران وششدر کر دیا۔ کیا یہ مخصوص صلاحیت نہیں؟

۸ر سال کی عمر میں عربی زبان میں ہدایۃ النحو کی شرح لکھ ڈالی۔

۱۳ر سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون سے فراغت حاصل کر کے دستار فضیلت کے مستحق ہوئے۔

چودہ سال کی عمر سے پہلے مسند افتا پر بٹھا دیے گئے۔

ایک مہینہ میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا۔

بخار کی حالت میں صرف چھ گھنٹے میں عربی زبان میں ایک معرکۃ الآرا کتاب لکھ کر علما حرمین شریفین کو حیرت میں ڈال دیا۔ کیا یہ خداداد صلاحیت نہیں ہے؟

جدید تحقیق کے مطابق ایک سو پانچ علوم وفنون پر مہارت کا جلوہ دکھا کر علما اور دانشوروں کی انجمن کو چونکا دیا۔ کیا یہ خداداد صلاحیت نہیں ہے؟

سامعین کرام! اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنی پوری زندگی دین اسلام کی ترجمانی، دین کی حمایت اور مذہب کی اشاعت میں بسر کی۔ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ حق کی سربلندی وسرفرازی میں صرف ہوا۔ آپ ذاتی طور

پر سب کچھ برداشت کر سکتے تھے مگر دین پر حرف آجائے۔ یہ ہرگز برداشت نہ تھا۔ دین کی تعبیر و تشریح میں اسلاف کی تردید کی جائے آپ کی غیرت نے کبھی اس کی اجازت نہ دی۔ اس تعلق سے کسی مصلحت کو کبھی بھی آپ نے اپنے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ دین اور شریعت کے معاملے میں آپ نے نہ تو اپنوں کی رعایت کی اور نہ غیروں کا خیال کیا۔ نہ دوستوں کو بخشا اور نہ دشمنوں کو چھوڑا۔ جس کسی نے بھی شریعت کی خلاف ورزی کی آپ نے فوراً اس کی گرفت فرمائی۔ یہ نہ دیکھا کہ لغزش کرنے والا کون ہے۔ اس کا حلقہ اثر کتنا وسیع ہے اس کے معتقدین کتنے مضبوط ہیں۔ آیا وہ کوئی علامہ ہے یا مفتی۔ عالم ہے یا مرشد کوئی سیاسی ہے یا صحافی کسی کی پرواہ کئے بغیر شریعت کا حکم سنا دیا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا۔ آپ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک گوشہ کو دیکھنے کے بعد ہر انصاف پسند کہہ اٹھے گا کہ یقیناً آپ کی پوری زندگی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

کا جیتا جاگتا نمونہ تھی اور حق تو یہ ہے کہ ان کی اسی حق گوئی و بے باکی نے انہیں سخت مزاج اور متشدد کے نام سے مشہور کر دیا۔ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ در حقیقت آپ کی پوری زندگی وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی عملی تفسیر ہے۔ جسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے ہر موقعہ اور ہر مقام پر۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

کا عملی مظاہرہ کیا ہے۔

حضرات! اگر آپ کو یقین نہ ہو تو تھوڑا وقت نکال کر ان کی کتاب زندگی دیکھئے ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کیجئے۔ صرف سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرنے کی بجائے خود تحقیق کی دنیا میں قدم رکھئے اور ان کی تحریریں ملاحظہ کیجئے پھر یقیناً آپ خود ہی پکار اٹھیں گے۔

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے
اوروں نے بھی لکھا ہے بہت علم دین پر
جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

محترم حضرات! یہاں پر اتنی گنجائش نہیں کہ میں آپ کو تفصیلات کی دنیا میں لے جاسکوں اس لیے فی الوقت میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کے پیغام کی چند جھلکیاں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ جن سے آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت نے کس طرح سے اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے۔ انہوں نے کس ڈھنگ سے باطل کی سرکوبی کا فریضہ انجام دیا ہے کس طریقہ سے انہوں نے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کو سنوارنے کی کوشش کی ہے اور کس انداز سے انہوں نے معاشرہ کی اصلاح ودرستگی کے لیے اپنی طاقت وتوانائی صرف کی ہے۔ مگر اس سے پہلے ایک مرتبہ درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

ایمان وعقیدہ کی حفاظت: بندۂ مومن کے لیے ایمان کی سلامتی سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے۔ ایمان ہی کی درستگی پر اعمال کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اعمال خواہ کتنے اچھے ہوں اگر ایمان میں فتور ہے تو سب بے کار ہے۔ اس لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت نے اخیر دم تک ایمان وعقیدہ کی درستگی اور سلامتی پر زور دیا۔ آپ اپنے وصایا شریف میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اے لوگو! تم پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہوں اور بھیڑیے تمہارے چاروں طرف ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں۔ تمہیں فتنے میں ڈال دیں۔ ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔ آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں۔

جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ

دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔(صایا شریف، ص۲۲)

حیات اولیا: کچھ لوگ اولیا کرام کو پردہ فرمانے کے بعد بے کار سمجھتے ہیں، ان کی حیات اوران کی امداد کو شرک وبدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ان کے مزار پرانوار کو مٹی کا ڈھیر کہنے سے نہیں چوکتے اور حد تو یہ ہے کہ وہ لوگ انبیار کرام کے بارے میں بھی ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ جو سراسر باطل ومردود اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قرآن وحدیث کی روشنی میں اس تعلق سے فرماتے ہیں۔

"حیات شہدار قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہدار سے علمار افضل روز قیامت شہدا کا خون اور علما کے دوات کی سیاہی تولے جائیں گے۔علما کے دوات کی سیاہی شہدا کے خون پر غالب آئے گی اور علما سے اولیا افضل ہیں۔تو جب شہدا زندہ ہیں اور فرمایا کہ انہیں مردہ نہ کہو تو اولیا بدرجہا ان سے افضل ہیں ضرور ان سے بہتر ہیں۔ قرآن عظیم کے ایجازات میں یہ بھی ہے کہ امرارشاد فرماتے ہیں اوراس سے اس کے امثال اوراس سے اشل پردلالت فرمادیتے ہیں۔جیسے "وَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا" ماں باپ کو ہوں کہنے سے ممانعت فرمائی۔جو کچھ اس سے زیادہ ہو خود ہی منع ہو گیا اور یہیں دیکھئے حیات شہدا کی تصریح فرمائی اور حیات انبیا کا ذکر نہیں کہ اعلیٰ خود ہی مفہوم ہو جائے گا۔اس دلالۃ النص میں اولیا بلاشبہ داخل ہیں"۔(فتاوی رضویہ جلد نہم، ص۹)

سجدہ تعظیمی حرام ہے: کچھ لوگ اندھی عقیدت میں شریعت کے حکم کو پھلانگ جاتے ہیں۔امام اہل سنت اعلیٰ حضرت ایسے لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

مسلمان! اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزوجل کے سوا کسی کے لیے نہیں۔اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو

یقیناً اجماعاً شرک مبین و کفر مہین اور سجدہ تحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین اور اس کے کفر ہونے میں اختلاف علماء دین ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول اور عند التحقیق کفر صوری پر محمول"(ایضاً ۹/۲۱۶)

مزارات پر عورتوں کی حاضری: آج کچھ لوگ دانستہ طور پر علماء اہل سنت اور بالخصوص امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کو اس تعلق سے مطعون کرتے ہیں اور یہ الزام لگاتے ہوئے ذرہ برابر نہیں جھجکتے کہ سنیوں کے یہاں مزارات پر عورتوں کے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ لوگ کھلے عام اس کی اجازت دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ امام اہل سنت اس کے سخت خلاف تھے۔ آپ نے عورتوں کو مزارات کی حاضری سے سخت منع کیا۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں مستقل ایک رسالہ"جُمَلُ النُّوْرِ فِیْ نَهْیِ النِّسَاءِ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ"تحریر فرما کر اپنے موقف کا واضح اعلان فرمادیا۔ اس تعلق سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"غنیۃ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے۔ اللہ کی طرف سے اور صاحب مزار کی طرف سے جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس نہیں آتی ہے، ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں"۔

دعوت میت: اسی طرح سے آج کل اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے کھانا میں لوگ فخر و مباہات کا اظہار کرتے ہیں تضیع مال اور فضول خرچی سے گریز نہیں کرتے مگر المیہ یہ ہے کہ عوام کے ان افعال کو سند بنا کر کچھ لوگ علمائے اہل سنت کو اس راستے بھی بدنام کرنے سے نہیں چوکتے۔ جب کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کی حیات مبارکہ اور آپ کے معمولات سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ کسی کے یہاں تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے تو وہاں کھانا پینا تو بہت دور کی بات ہے۔ آپ وہاں پان تک نہیں کھاتے تھے، بلکہ روایت تو یہاں تک ہے کہ ایسے مقامات پر آپ

اپنا حقہ تک ساتھ لے جاتے تھے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ دعوت میت خود نا جائز و بدعت شنیع وقبیحہ ہے۔"

فیشن پرستی کی مذمت: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان مسلمانوں کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی یہ کوشش تھی کہ مسلمان اپنے اعمال سے لے کر افعال تک میں اسلام کا ترجمان اور مذہب کا نمائندہ نظر آئے۔ عورت اور مرد ہر ایک اپنی جگہ مثالی ہوں۔ ہر ایک کی شخصیت ممتاز اور نمایاں ہو۔ غیروں کی تقلید اور پیروی سے اپنے آپ کو دور رکھیں بلکہ اسلام کی پرکشش تعلیمات پر کاربند ہو کر دوسروں کو اسلام کے حسن پر فریفتہ کریں۔ اسی وجہ سے آپ نے فیشن پرستی کی پرزور مذمت کی ہے۔

آج عورتوں اور مردوں کے اخلاق و کردار میں کتنی پستی آ رہی ہے اور کیسے دونوں ایک دوسرے کی پہچان میں گم ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر میں زیادہ تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ بس اتنا ہی کہہ کر آگے گزر جانا چاہتا ہوں کہ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا کر جائے گی

عورت اپنے بال کٹوا کر مردوں کی طرح رکھ سکتی ہے یا نہیں؟ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فرماتے ہیں۔

"عورت کو حرام ہے کہ اپنے بال تراشے کہ اس میں مردوں سے مشابہت ہے۔ یوں ہی مردوں کو حرام ہے کہ اپنے بال عورتوں کی طرح بڑھائیں اور وجہ دونوں جگہ وہی مشابہت ہے کہ موجب حرام و موجب لعنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲۹۹)

قلب کی صفائی: اعلیٰ حضرت امام اہل سنت ظاہر سے کہیں زیادہ باطن کی صفائی پر زور دیتے تھے اور قالب سے زیادہ قلب کی ستھرائی کا درس دیا کرتے تھے کیوں کہ یہی اعمال کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ امام اہل سنت فرماتے ہیں۔

"قلب جب تک صاف ہے خیر کی طرح بلاتا ہے۔ اور معاذ اللہ معاصی اور

کثرت بدعات سے اندھا کردیا جاتا ہے اب اس میں حق کو دیکھنے، سمجھنے اور غور کرنے کی صلاحیت نہیں رہ جاتی مگر ابھی بھی حق سننے کی استعداد رہتی ہے"۔ (الملفوظ شریف، ۳/۵۴)

نرمی کا فائدہ: اسلام کی دعوت وتبلیغ خوش اخلاقی اور نرم روی سے عبارت ہے۔ تشدد اور کج روی لوگوں کے دلوں میں محبت کی بجائے نفرت پیدا کردیتی ہے۔ لوگوں کو قریب کرنے کی بجائے دور کردیتی ہے۔ امام اہل سنت دعوت وتبلیغ کے اسرار ورموز سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"دیکھو نرمی میں جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل ہوسکتے۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں۔ ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہوجائیں۔ (ایضا)

مختصر یہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے معاشرہ کو صاف ستھرا اور مسلمانوں کی اصلاح کے لیے اپنا قلمی جہاد تاحیات جاری رکھا جس کے مثبت نتائج آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ یہ امام احمد رضا کا اخلاص اور شبانہ روز جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول کا جذبہ موجزن ہے۔ جس سے آج پوری دنیا خوف زدہ اور لرزہ براندام ہے۔ بلاشبہ عشق رسول کی مستی نے امت مسلمہ کو ایک ناقابل تسخیر قوت کی حیثیت سے مشہور کردیا تھا۔ یہی وہ قوت تھی جس نے غیر مسلم اقوام کو یہ فیصلہ پر مجبور کردیا تھا کہ۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں کبھی
اس کے بدن سے روح محمد نکال دو

عشق رسول کا درس: مگر حضرات گرامی! ان تمام حقائق کے باوجود آج کچھ ذمہ دار حضرات کی تساہلی اور عوام الناس کی بے راہ روی کی وجہ سے سنیت اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت بدنام کیے جارہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور پیغامات کو مؤثر انداز میں پیش کریں اور ان پر خود عمل کرتے ہوئے دوسروں کو عمل کی ترغیب دلائیں۔ انشاء اللہ

عصبیت کے بادل چھٹ جائیں گے اور حقانیت کا سورج نصف النہار کو پہنچ جائے گا۔ پھر اس کے بعد ہر زبان پر یہ شہرہ ہوگا۔

مایوس ہو رہے ہیں یہ کہہ کر معاندین
جتنا دبایا اتنا ہی شہرہ رضا کا ہے
جو دشمن نبی ہے انہیں خود سے دور رکھ
یہ درس مصطفیٰ کا ہے اور کہنا رضا ہے

عشق رسول امام احمد رضا کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے ان کا عشق صادق مستحکم اور ایمان افروز تھا۔ بلاشبہ ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ عشق رسول سے عبارت ہے۔ ان کی پاکیزہ زندگی سنت رسول کی پرتو اور محبت رسول کی آئینہ دار تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پیغام حق وصداقت کی تمہید ہی عشق رسول سے شروع ہوتی ہے اور وہ پوری دنیا کو اسی عشق میں رنگنے کے آرزو مند تھے، اور یہ آرزو چونکہ خلوص کا لبادہ پہنے ہوئی تھی اس لیے پوری دنیا میں اس کی دھمک محسوس کی گئی اور امتداد زمانہ کے ساتھ اس کی گھن گرج میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے۔

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

مخالفین کی ہزار ہا کوششوں کے باوجود آج پوری دنیا میں امام احمد رضا کے عشق کی دھوم مچی ہوئی ہے ان کے درس عشق ومحبت سے تاریک دل منور، پژمردہ کلیاں شگفتہ اور منجمد ماحول پرجوش بن گیا۔ امام احمد رضا کے پیغام کا یہ کلیدی عنصر تھا کہ علم وفن کی خواہ کوئی بھی انجمن ہو یا فکر وعمل کی کوئی محفل ہو اللہ اور اس کے رسولوں کے ذکر سے خالی نہ ہو ان کے ذکر وفکر سے ہر مقام شاد وآباد اور ہر محفل منور ومجلی ہونی چاہئے۔

معزز سامعین کرام! یہ ایک ایسا انقلاب آفریں پیغام تھا کہ اگر دنیا اس پر عمل پیرا ہو جاتی تو آج انسانیت اس طرح تباہ وبرباد نہ ہوتی، آدمیت اس طرح ذلیل وخوار نہ ہوتی۔ افکار ونظریات میں اتنے تصادم نہ ہوتے اور آپسی رسہ کشی کی خلیج اتنی

وسیع نہ ہوتی۔ انہوں نے عشق رسول کا جو عملی درس دیا ہے اس کی افادیت ہر دور میں مسلم رہی ہے اور صبح قیامت تک اس کی افادیت کا ڈنکا بجتا رہے گا۔ آیئے ذرا ان کے عشق کی وارفتگی اور جذبات کا والہانہ پن ملاحظہ کیجئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھوٹے سستے
جو آگ بجھا دے وہ آگ لگائی ہے

دنیاوی عشق کی تپش نیند حرام اور چین وسکون غارت کر دیتی ہے مگر امام احمد رضا عشق رسول میں اس مقام تک پہنچ گئے تھے کہ انہیں بے قراری میں قرار اور اضطراب میں سکون ملا کرتا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

اور مزید وجد آفریں انداز میں فرماتے ہیں۔

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

صرف اتنے پر بس نہیں بلکہ خود سپردگی کا عالم یہ ہے کہ فرماتے ہیں۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں؟

عشق رسول کی صداقت نے امام اہل سنت کو غلامی رسول پر نازاں بنا دیا تھا۔ انہیں اپنے رشتۂ محبت پر بڑا اعتماد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان واعتقاد کی بلند و بالا چوٹی سے اعلان فرماتے ہیں۔

خوف نہ کر رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے

محترم حضرات اور عزیزان ملت اسلامیہ! اگر دو جملوں میں امام اہل سنت کے پیغام کو سمجھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے پیغام کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ ساری دنیا سے منہ موڑ کر سرکار کے درمقدس سے لگ جاؤ عزت وعظمت تمہارے قدموں کا بوسہ لینے میں فخر محسوس کرے گی۔ فرماتے ہیں۔

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
سائلو دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

ہندوستان کی جنگ آزادی اور علمائے اسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِيْمَانِ (الحدیث)

زینت اسٹیج علماذی وقار سامعین کرام! میں اپنے موضوع کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالنے سے پیشتر ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم اور آپ مل کر شافع امم دافع رنج وغم سید عرب وعجم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں صلوٰۃ وسلام کی ڈالیاں نچھاور کرنے کی سعادت حاصل کریں اور بلند آواز سے پڑھیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

ہر خار ہمارا ہے ہر پھول ہمارا ہے
ہم نے بھی لہو دے کر گلشن کو سنوارا ہے
سو ظلم کیے تم نے اک آہ نہ کی ہم نے
وہ ظرف تمہارا تھا یہ ظرف ہمارا ہے

❋ ❋ ❋

ہم کو بھارت کی زمیں سے اور گگن سے پیار ہے
جو بڑھائے پیار ایسی انجمن سے پیار ہے
عزت سے ہم بھی جینے کے حقدار ہیں یہاں
شامل ہمارا خون بھی قربانیوں میں ہے

حکمت کا نشہ شعر کی انگڑائیاں ہیں ہم
غنچوں کے ترجمان گلوں کی زبان ہیں ہم
اک اک نفس میں بوئے وطن ہے بسی ہوئی
نبض وطن میں خون کی صورت رواں ہیں ہم

❁ ❁ ❁

کس نے اپنے دل کے لہو سے لالہ وگل میں رنگ بھرا
جن کو ہو دعویٰ گلشن پر ہم سے آنکھیں چار کریں

قابل قدر بزرگوں اور نوجوان ساتھیو! اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی کہ ایک منظم سازش کے تحت مادر وطن سے مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے۔اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کبھی معاشی طور پر مسلمانوں کی کمر توڑی جارہی ہے اور کبھی سماجی طور پر، کبھی سیاسی پلیٹ فارم پر کچلا جارہا ہے اور کبھی مذہبی پلیٹ فارم پر، فتنہ انگیزی اور شر پسندی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اسکولوں اور کالجز کے کورس کی کتابوں میں بھی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ کچھ سر پھرے لوگ مادر وطن کے نگہبانوں کی بھونڈی تصویریں پیش کر کے مستقبل کے علمبرداروں کے ذہن ودماغ کو زہریلا بنانے کی ناپاک جسارتیں کرر ہے ہیں۔ایسے سنگین ماحول اور پر فتن دور میں اہل علم حضرات کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ قوم کو صحیح صورت حال سے باخبر کریں۔تاریخ کے بوسیدہ اوراق کو الٹ پلٹ کر سامنے لائیں اور شہیدان محبت کی بے لوث قربانیوں کا پرچم بلند کریں۔گرد آلود چہروں کو صاف اور غبار آلود زلفوں کو سنواریں۔اپنی تاریخ کو زندہ کر کے آنے والی نسلوں کو جینے کا حوصلہ بخشیں اور شہیدان وطن کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کر کے باطل پروپیگنڈہ کرنے والوں کا منھ توڑ کر جواب دیں۔

اے مری قوم! تجھے عظمت رفتہ کی قسم
تجھ میں احساس کے جذبات شکستہ کی قسم

اپنی تاریخ کو جو قوم بھلادیتی ہے
صفحہ دہر سے وہ خود کو مٹادیتی ہے

حضرات! یہ ایک مسلم الثبوت اور نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی علمار کرام ہی کے دم قدم سے متصور ہے۔آج ہم آزادی کی جس خوشگوار فضا میں زندگی کے لحات بسر کررہے ہیں یہ علما حق ہی کے سرفروشانہ جذبات اور مجاہدانہ کردار کا ثمرہ ہے۔انہیں کے مقدس لہو سے شجر آزادی کی آبیاری وآبپاشی ہوئی ہے اگر انہوں نے بروقت حالات کے طوفانی رخ کا تدارک نہ کیا ہوتا تو آج مسلمان یہاں کس حال میں ہوتے وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔مگر اندازہ یہ لگایا جاتا ہے کہ اولاً ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود ہی نہ ہوتا اور اگر ہوتا بھی تو ان کے اندر اسلامی روح، ایمانی جذبہ اور دینی غیرت وحمیت مفقود ہوتی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس کا پس منظر:

اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے وجود کے ساتھ مسلمانوں کی غیرت وحمیت بھی سپرد خاک ہوگئی۔ان کی وفات کے بعد مغل شہنشاہ اگرچہ ڈیڑھ سو سال تک حکمراں رہے مگر ان کے اندر جو اسلامی روح اور مذہبی اسپرٹ تھی ان کے جانشینوں میں وہ بات رفتہ رفتہ سرد پڑتی چلی گئی۔آپسی اختلاف وانتشار نے انہیں باہر کی دنیا سے بے خبر کردیا۔اسی درمیان کچھ سفید تن سیاہ من لوگ تاجر کے بھیس میں ہندوستان میں داخل ہوئے۔مغل شہنشاہ اپنی سادہ لوحی کی بنیاد پر ان شاطروں کی چال نہ سمجھ سکے۔اس لیے وہ لوگ اپنی فریب کاری سے چند ہی سالوں میں تاجر سے حاکم بن بیٹھے۔ ہندوستانی باشندوں کی غیرت انگریزوں کی بالادستی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئی اس لیے ۱۷۵۷ء میں رئیس بنگال نواب سراج الدولہ نے پلاسی کے میدان میں انگریزوں سے زبردست مقابلہ کیا۔ اس کے بعد صلیبی استعماریت کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے دوسری جنگ ۱۷۶۴ء میں بکسر میں لڑی گئی۔ان جنگوں میں اگرچہ مسلمانوں کی شکست ہوئی مگر

ان کے سرفروشانہ جذبات میں کمی نہیں آئی۔ انگریزوں کے خلاف نفرت وحقارت کی چنگاری آہستہ آہستہ شعلہ جوالہ کی صورت اختیار کرتی رہی۔ اب ہندوستانی مسلمانوں کی شکست خوردہ فوج کو منظم ومربوط کرنے کے لیے میدان کارزار میں جو مرد مجاہد نکلا دنیا اسے شیر ہندوستان ٹیپو سلطان کے نام سے جانتی ہے۔ اس مرد مجاہد نے جنگ کا نقشہ کچھ اس ڈھنگ سے مرتب کیا جس کی بھنک سے برطانوی شاطروں کے چھکے چھوٹ گئے۔ ٹیپو سلطان نے ہندوستانی امرا وسلاطین کے علاوہ بیرونی حکمرانوں کو بھی اپنے پرچم تلے اکٹھا کرلیا۔ انگریزوں کی ٹڈی دل فوج سلطان کی اس فنکارانہ تیاری سے مبہوت ہوگئی۔ اسے یقین ہوگیا کہ اس بیدار مغز نوجوان سے میدان کارزار میں کامیاب ہونا ناممکن ہے لہٰذا ان لوگوں نے پھر اپنا وہی حربہ استعمال کیا جو نواب سراج الدولہ کے مقابلہ میں استعمال کر چکے تھے۔ اس وقت جو ملت فروش ان کے ہاتھ آیا وہ سلطان کا معتمد خاص میر صادق تھا۔ انگریزوں نے اسے کسی ریاست کی حکمرانی کے لالچ میں پھانس کر بغاوت پر آمادہ کرلیا۔ نتیجتاً فرنگیوں کی طاقت قابل اطمینان حد تک بڑھ گئی۔ انہیں ملت فروش افراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے۔

جعفر از بنگال صادق از دکن
ننگ ملت ننگ دین ننگ وطن

ادھر میسور کا وہ فرماں روائے اعظم ان تمام حوادث سے بے خبر ۴؍مئی ۱۷۹۹ء کو آخری فیصلہ کے لیے میدان جنگ میں اتر پڑا۔ مگر شومی تقدیر اپنوں کی غداری نے اس کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا اور وہ اسی معرکہ میں سرنگا پٹم کی دھرتی پر اپنی جان جاں آفریں کو سپرد کر کے شہید کے عظیم لقب سے ملقب ہوا۔

ہندوستان کی تاریخ میں اس شیر دل انسان نے اپنی شجاعت وبہادری اور ہمت وجوانمردی کے جو تابندہ نقوش ثبت کیے ہیں۔ یقیناً وہ شاہراہ شہادت کے مسافروں کو نشان منزل کا پتہ دیں گے۔

اس جنگ میں شکست کے بعد انگریزوں کی بربریت آمیز حکومت روز بروز ترقی کرتی رہی اور مسلمان ان کے جبر و استبداد کا نشانہ بنتے رہے۔ بالآخر مسلمانوں نے اجتماعی شکل میں مغل شہنشاہوں کی آخری نشانی بہادر شاہ ظفر کے دربار کا رخ کیا۔ جہاں اس کی حکومت صرف لال قلعہ کی چہار دیواری تک محدود ہو چکی تھی۔ ادھر روہیلکھنڈ کے علاقہ بریلی سے جنرل بخت بھی اپنی فوج لے کر اس بہادر حکمراں کی خدمت میں پہنچ گئے اور سب ایک جگہ جمع ہو کر آخری فیصلہ کن جنگ کے لیے مورچہ بندی کرنے لگے۔ اس تیاری کی خبر سن کر ملک کے طول و عرض سے غیرت مند مسلمان اسلام کی تحقیر و تذلیل اور اپنی پامالی و بربادی کے انتقام کی خاطر ایک مقام پر اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ لوگوں کی کثرت ایک جم غفیر کی صورت اختیار کر گئی۔ اس وقت جن نفوس قدسیہ نے اپنی جان و مال اور عزت آبرو کا خیال کئے بغیر فرضیت جہاد کا فتویٰ صادر کیا وہ علما اہل سنت و جماعت ہی تھے۔ ان میں خاص طور سے علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا فیض احمد بدایونی، احمد اللہ شاہ مدراسی، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مولانا رضا علی خاں بریلوی قابل ذکر ہیں۔

جہاد کے فتویٰ کا شائع ہونا تھا کہ مسلمانوں کے اندر دینی جذبات کا ایک طوفان امنڈ پڑا۔ مجاہدین کفن بردوش لوائے ظفر کے نیچے آن کھڑے ہوئے اور بغیر کسی شش و پنج کے ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو میدان جہاد میں اتر پڑے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس جنگ کی لہر پورے ملک میں پھیل گئی۔ قتل و غارت گری کی ایک نہ تھمنے والی آندھی چل پڑی۔ جگہ جگہ کشت و خون کا بازار گرم ہونے لگا۔ انگریز تمام جدید اسلحوں سے مسلح ہو کر ہر چہار جانب اپنی حیوانیت و درندگی کا بھرپور مظاہرہ کر رہے تھے، اور ان کے مقابلے میں ہندوستان کے جیالے افراد سینہ تانے ہر محاذ پر انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اگرچہ اکثریت مسلمانوں کی تھی مگر ہندو فوجیوں کی شمولیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں البتہ یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان کی

حیثیت آٹے میں نمک جیسی تھی۔ یہ لوگ انگریزوں سے اس لیے بیزار ہو گئے تھے کہ انگریز غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے ساتھ ساتھ اب ان کے دھرم کو بھی نشٹ کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ اصل میں ہوا یہ کہ کسی نے کلکتہ اور میرٹھ کی فوجوں میں یہ بات عام کر دی کہ سپاہیوں کو جو کارتوس استعمال کے لیے دیے جاتے ہیں اس کے خول پر سور اور گائے کی چربی لگی ہوتی ہے اور کارتوس استعمال کرنے سے پہلے اس کے خول کو دانتوں سے ہٹایا جاتا ہے۔ اس بات کے منظر عام پر آتے ہی ہندو مسلمان دونوں فوجیں چراغ پا ہو کر بغاوت کے لیے تیار ہو گئیں۔ اور ادھر دلی میں بہادر شاہ ظفر فوج اکٹھی کر ہی رہے تھے۔ موقع کو غنیمت سمجھ کر دونوں فوجیں اس میں شریک ہو کر بغاوت کر بیٹھیں۔ مگر اس بغاوت کا خمیازہ صرف اور صرف مسلمانوں ہی کو بھگتنا پڑا۔ انگریز مسلمانوں سے اپنی پرانی دشمنی کا بدلہ چکانے آدھمکے اس جوش انتقام میں وہ اتنے اندھے ہو گئے کہ ہندوؤں کی طرف ان کا خیال ہی نہ گیا بلکہ انہیں اعزازی طور پر سرکاری نوکریاں ملنے لگیں اور مسلمان ہر جگہ سے بے دخل کئے جانے لگے۔ مختصر یہ کہ بغاوت کی ساری ذمہ داری مسلمانوں ہی کے حصے میں آئی۔

آکے پتھر تو مرے صحن میں دوچار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پس دیوار گرے

جنگ آزادی کا پر جوش انتقام: ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران ہی انگریزوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اس جنگ میں مسلمان ہی پیش پیش ہیں۔ لہٰذا ان سیہ کاروں نے مسلمانوں سے ایسا انتقام لیا جس کی المناک روداد سن کر آج بھی آنکھیں چھلک جاتی ہیں اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ظلم و زیادتی اور قتل و غارت گری کا وہ طریقہ اپنایا گیا کہ اگر چنگیز و ہلاکو اور ہٹلر و مسولینی بھی اسے دیکھ لیتے تو انگشت بدنداں رہ جاتے۔

محترم حضرات!

ابھی سے کیوں چھلکتے ہیں تمہاری آنکھ میں آنسو
ابھی چھیڑی کہاں ہے داستان درد دل ہم نے

حضرات! اس جنگ میں کامیابی کے بعد جب دہلی پر ان کا مکمل قبضہ ہوگیا تو انگریزوں نے فوجیوں کو تین روز تک مسلسل دہلی لوٹنے کی اجازت دے دی۔ فوجی جو عرصہ سے اس موقع کی تاک میں تھے اجازت پاتے ہی اہل دہلی پر پل پڑے۔ خون کی ہولی کھیلی جانے لگی۔ دہلی شہر جو انسانی وجود سے سبزہ زار بنا ہوا تھا۔ یک بیک ویران ہوگیا۔ خوشی و مسرت اور ہنسی و قہقہہ کی جگہ خموشی و سناٹا کا دور دورہ تھا۔ گویا شہر کا حسن و خوبصورتی لٹ گئی اور آرائش و زیبائش نذر آتش کردی گئی۔ اب تو شہنشاہوں کے اس دلفریب شہر میں صرف اونچے اونچے قصور و محلات تھے یا بلند و بالا مینارے تعفن آمیز لاشیں تھیں یا خون کے نالے۔

دہلی شہر کی منظر کشی ایک انگریز کمانڈر (Lord Roberts) کی زبانی سماعت کیجئے۔

"صبح کی ابتدائی روشنی میں دہلی سے کوچ کا وہ مرحلہ بڑا ہی دردناک تھا۔ (لال قلعہ) کے لاہوری دروازہ سے نکل کر ہم چاندنی چوک سے گزرے دہلی حقیقتاً شہر خموشاں معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے اپنے گھوڑوں کی سموں کی آواز کے سوا کوئی آواز کسی سمت سے نہ آئی تھی۔ ایک بھی زندہ مخلوق ہماری نظر سے نہ گزری ہر طرف نعش بکھری پڑی تھی۔ ہر نعش پر وہ حالت طاری تھی جو موت کی کشمکش نے طاری کردی تھی۔ ہر نعش تجزیہ و تحلیل کے مختلف مراحل میں تھی۔ ہم چپ چاپ چلے جارہے تھے یا سمجھ لیجیے کہ بے ارادہ زیرلب باتیں کررہے تھے۔ تاکہ انسانیت کے ان دردناک باقیات کی استراحت میں خلل نہ پڑے۔ جن مناظر سے ہماری آنکھیں دوچار ہوئیں وہ بڑے ہی رنج افزا تھے۔ کہیں کوئی کتا کسی نعش کا برہنہ عضو بھنبھوڑ کر کھا رہا تھا، کہیں کوئی گدھ ہمارے قریب پہنچنے پر اپنی گھناؤنی غذا چھوڑ کر پھڑ پھڑاتے پروں سے ذرا دور چلا جاتا لیکن اس کا پیٹ اتنا بھر چکا تھا کہ اڑ نہ سکتا تھا۔ اکثر حالتوں میں

مرے ہوئے زندہ معلوم ہوتے تھے۔ کسی کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے جیسے کسی کو اشارہ کررہا ہو گو یہ پورا منظر اس درجہ ہیبت ناک اور وحشت انگیز تھا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ معلوم ہوتا تھا ہماری طرح گھوڑوں پر بھی خوف طاری تھا۔ اس لیے وہ بھی بدک رہے تھے اور نتھنے پھلا رہے تھے۔ پوری فضا نا قابل حد تک بھیانک تھی جو بڑی مضر بیماری اور بدبو سے لبریز تھی۔

(Lord Roberts Fourty one years in India P-152)

عزیزان ملت اسلامیہ! یہ روح فرسا منظر تو صرف دہلی کا تھا، ہندوستان گیر پیانہ پر مسلمانوں کے استحصال کی روداد ایک چشم دید انگریز مورخ کی زبانی سنئے۔

"ایک انگریز کا شیوہ یہ ہو گیا تھا کہ مسلمان سنتے ہی گولی ماردیتا تھا"۔

(عروج سلطنت انگلشیہ ص ۲۱۷)

حضرات! عوام الناس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اپنی جگہ پر حد درجہ قابل افسوس ہے لیکن خاص طور سے علماء اسلام کے ساتھ جو طریقہ اپنایا گیا اس میں وحشت وبربریت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ انگریز چونکہ علما کرام ہی کو بغاوت کا ذمہ دار سمجھ رہے تھے لہٰذا انہیں کو سب سے زیادہ مشق ستم بنایا گیا تا کہ آئندہ وہ اور ان کے پیروکار اس قسم کی جرأت نہ کرسکیں۔ مگر ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرات ملت اسلامیہ! اس وقت ہندوستان کے مقتدر اور جلیل القدر علما جس کثرت سے شہید کئے گئے اس کی رقت انگیز روداد پیش کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے، مگر کیا کیا جائے وقت اور حالات کی ستم ظریفی ہمیں زبان کھولنے پر مجبور کررہی ہے۔ لہٰذا آیئے نہایت ہی صبر وضبط کے ساتھ اس داستان ستم کی ایک اور جھلک ایک انگریز مورخ مسٹر ٹامسن کے حوالے سے سماعت کیجیے۔

"۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۷ء انگریزوں نے علما کو ہلاک کرنا شروع کیا۔ یہ تین سال

ہندوستان کی تاریخ کے بڑے المناک ہیں۔ ان تین سالوں میں کم از کم چودہ ہزار علما کرام تختہ دار پر چڑھائے گئے۔ چاندنی چوک کے ارد گرد دور تک کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر علما کی گردنیں نہ لٹکی ہوں۔ علما کو سوروں کی کھالوں میں بند کر کے جلتے ہوئے تنوروں میں ڈالا گیا۔ علما کے جسموں کو تانبوں سے داغا گیا۔ علما کو ہاتھیوں پر چڑھا کر درختوں سے باندھا گیا اور ہاتھیوں کو پھر چلادیا گیا۔ لاہور کی اسی شاہی مسجد میں جہاں رنجیت سنگھ نے اپنے گھوڑے باندھے تھے۔ اس کے صحن میں انگریزوں نے پھانسی کا پھندہ بنایا۔ ایک دن میں اسی اسی علما کو پھانسی دی جاتی تھی۔ لاہور کے دریائے راوی میں اسی علما کو بوریوں میں بند کر کے ڈالا جاتا اور اوپر سے گولیوں کا نشانہ بنادیا جاتا۔

ٹامسن اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ:

میں اپنے دلی کے خیمہ میں گیا مجھے محسوس ہوا کہ مردار کی بو پھیلی ہوئی ہے خیمہ کے پیچھے گیا تو دیکھتا ہوں کہ آگ کے انگارے دہک رہے ہیں۔ چالیس علما کو بے لباس کر کے انگاروں پر ڈالا گیا۔ ٹامسن مزید لکھتا ہے۔

دیکھتے دیکھتے چالیس اور علما کو لایا گیا۔ ان کے کپڑے اتارے گئے، ایک انگریز نے کہا مولویو! جس طرح ان چالیس علما کو پکایا گیا ہے تمہیں بھی پکادیا جائے گا۔ تم صرف اتنا کہہ دو کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ہم شریک نہیں تھے۔ ابھی چھوڑ دیں گے۔ ٹامسن تاثر سے لبریز ہو کر کہتا ہے۔ میرے پیدا کرنے والے کی قسم کسی عالم نے انکار نہیں کیا۔ اور نہ گردن جھکائی۔ سارے علما آگ پر پک گئے۔ (علما حق کا تاریخی کردار، ص ۵۔۶)

یہ علمار بانیین ان نفوس قدسیہ کے جانشین ہیں جن کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اقبال نے کہا تھا۔

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

محترم سامعین کرام! بیان کردہ تفصیلات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کرنے والے علما اہل سنت و جماعت ہی تھے۔

حضرات! وقت کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے چند علما کرام کے تاریخی کردار کو پیش کر کے میں اپنی تقریر مکمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

آیئے ایک مرتبہ درود و پاک پڑھ کر اپنے قلب و جگر کو منور و مجلی کر لیں۔

صَلَّ اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ۔

جنگ آزادی میں حصہ لینے والے علمائے اہل سنت

علامہ فضل حق خیر آبادی:

آپ جنگ آزادی کے سب سے عظیم ہیرو ہیں۔ انقلابی سرگرمیوں کی پاداش میں آپ باغی قرار دیے گئے۔ ۱۸۵۹ء میں لکھنؤ میں مقدمہ چلا آپ کی شہرت ومقبولیت کے پیش نظر امید یہی تھی کہ بری کر دیے جائیں گے۔ مگر آپ نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر بھرے مجمع میں ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شرکت کا اعتراف کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کی رہائی منسوخ ہوگئی اور آپ کو کالا پانی روانہ کر دیا گیا۔ جس دن آپ کے معتقدین رہائی کا پروانہ لے کر کالا پانی پہنچے اس دن آپ اس دنیا کو الوداع کہہ چکے تھے۔

مولانا سید کفایت علی کافیؔ:

انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ مرتب کرنے والوں میں آپ کا نام سرفہرست ہے۔ کئی مورچوں پر آپ نے انگریزوں کو شکست دی۔ مراد آباد پر جب انگریزوں کا قبضہ ہوا تو اس وقت آپ گرفتار کر لیے گئے۔ جسم نازنین پر گرم گرم استری پھیری گئی۔ زخموں پر نمک چھڑکا گیا۔ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے انگریزوں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ مگر ناکام رہے آخر کار مراد آبادی کے ایک چوک میں برسرعام آپ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ جب آپ پھانسی کا پھندہ اپنی گردن میں ڈالنے جارہے تھے تو اس وقت آپ کے ہونٹوں پر تبسم رقصاں تھا اور زیر لب بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نعت پاک کا نذرانہ پیش فرما رہے تھے۔ اس نعت کا مقطع ہے۔

سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر اثر رہ جائے گا

مولانا مفتی رضا علی خاں بریلوی:

آپ نے جنگ آزادی میں قولاً فعلاً عملاً ہر طرح سے حصہ لیا اور شجاعت وبہادری کے انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ عمر بھر انگریزوں کے خلاف نبرد آزما رہے۔ آپ ایک بہترین جنگجو اور سپاہی تھے۔ لارڈ ہیسٹنگ آپ کے نام سے سخت ناراض تھا اور جنرل ہڈسن جیسے برطانوی جنرل نے تو آپ کے سر پر پانچ سو روپے کا انعام رکھ دیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ اپنے ناپاک منصوبہ میں عمر بھر ناکام رہے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

شہید ملت مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی:

ملک وملت کے اس سپوت کا نام ہے جنہوں نے ملک کے مختلف مقامات پر علم جہاد بلند کیا اور مجاہدین کی سربراہی فرما کر انہیں جذبہ آزادی کا خوگر بنایا۔ ٹونک، گوالیار، آگرہ، دہلی اور کانپور وفیض آباد کی سرزمین پر آپ نے انگریزوں سے مقابلہ کیا۔ انگریز آپ کے نام ہی سے خائف تھے۔

۱۲۰۴ھ میں دریائے شور کے ساحلی علاقہ چنیا پٹن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نواب سید محمد علی سلطان ٹیپو کے مقربین میں سے تھے۔ مولانا احمد اللہ شاہ صاحب نے اپنی پوری زندگی انگریزوں کی مخالفت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۳ر ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو لڑتے لڑتے میدان کارزار میں شہید ہوئے۔

مفتی صدر الدین خاں آزردہ:

تحریک آزادی ہند کی خشت اول کی حیثیت جس عظیم المرتبت شخصیت کو حاصل

ہے۔ اسی کا نام مفتی صدر الدین خاں آزردہ ہے انہوں نے ہی فتویٰ جہاد مرتب کیا اور لوگوں کو اس طرف مائل فرمایا۔ اس وقت آپ دہلی میں صدر الصدور کے عظیم منصب پر فائز تھے۔ علم وفضل کے بحر بیکراں اور تقویٰ وطہارت کے جبل استقامت تھے۔ انگریزوں کے لیے ہمیشہ شمشیر آبدار بن کر چمکتے رہے۔ آپ نے اس وقت تک سکون کی سانس نہ لی جب تک کہ راہی ملک بقا نہ ہو گئے۔

مفتی عنایت احمد کاکوری، مولانا عبد الجلیل شہید علی گڑھی، مولانا فیض احمد عثانی، منشی رسول بخش کاکوری، مولانا وہاج الدین اور سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی جیسی سینکڑوں ایسی نابغہ روزگار شخصیت ہیں جن کی عظیم الشان قربانیاں تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ یہ مقام ان تمام تفصیلات کا متحمل نہیں۔

حضرات! آج کی اس باوقار محفل میں مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ آج منصوبہ بند انداز میں جس طرح سے مسلمانوں کی کردار کشی کی جارہی ہے اس کے پیش نظر ہمیں بیدار رہ کر اپنے اسلاف کی روشن وتابندہ شخصیات کو اجاگر کرنا چاہئے اور آنے والی نسل کے دل ودماغ میں ان کی عقیدت ومحبت اور عظمت وقربانی کی شمع جلانی چاہئے ہے اور شر پسند افراد کے باطل منصوبوں کو خاک میں ملانا چاہئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

RAZAVI KITAB GHAR
425/2 Matia Mahal Jama Masjid Delhi-6
Contact:. 9350505879,011-23264524
e-mail ID - razavikitabghar@yahoo.co.in

Rs. 80/-